سہ ماہی　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　نئی دہلی

خبرنامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر: ۱۰، ۱۱	جولائی تا دسمبر ۲۰۱۶ء	شمارہ نمبر: ۴، ۱

ایڈیٹر

(مولانا) محمد ولی رحمانی

خط وکتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی- ۲۵

Tel:. 011-26322991, 26314784

E-mail: aimplboard@gmail.com / Web: www.aimplboard.in

پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپواکر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 76A /1، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
۲	ابتدائیہ	(حضرت) مولانا محمد ولی رحمانی	۵
۳	مسلم پرسنل لا سے ہم کسی حال میں دستبردار نہیں ہو سکتے	حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ	۹
۴	مسلم پرسنل لا کو سمجھئے اور اس پر عمل کیجئے	حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ	۱۱
۵	عائلی قوانین ایمان وعقیدہ کا بنیادی جزء ہے	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	۱۴
۶	ہماری ایک اہم ذمہ داری	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	۱۵
۷	شریعت اسلامی میں مداخلت کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے	حضرت مولانا محمد یوسفؒ	۱۶
۸	اقلیتوں کے حقوق	محمد عبدالرحیم قریشیؒ	۱۷
۹	تحفظ شریعت کا کارواں، ماضی، حال اور مستقبل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۳
۱۰	یتیم پوتے کی وراثت سے محرومی کے متبادل طریقے	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳۱
۱۱	مسلم معاشرہ کے مختلف مسائل اور ان کا حل	مولانا عبدالباسط ندوی	۳۴
۱۲	ازدواجی نزاعات میں مصالحت: اصول اور طریق کار	مفتی ریاض احمد قاسمی	۳۸
۱۳	حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب اور............	مولانا رضوان احمد ندوی	۴۲
۱۴	............اور محفل سونی ہوگئی	ڈاکٹر محمد وقار الدین لطیفی	۴۴
۱۵	بنگال کے مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی صورتحال کا جائزہ	ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی	۵۱
۱۶	کلکتہ شہر کے تاریخی مقامات	شکیل افروز	۵۳
۱۷	بورڈ کی سرگرمیوں کا مختصر خاکہ	ڈاکٹر محمد وقار الدین لطیفی	۶۸
۱۸	ایجنڈا اور نظام الاوقات ۲۵/واں اجلاس عام کلکتہ	ادارہ	۸۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد لله رب العالمين ، و الصلاة و السلام على سيد المرسلين و خاتم النبيين سيدنا محمد ، و علىٰ آله و صحبه أجمعين ، و بعد :

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جس کے قیام کو ۴۳ سال ہو چکے ہیں، اس کو درپیش مسائل نے اس کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ مسائل کے حل کی جو کوششیں اس کے قیام کے روز سے جاری ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں، اور اس میں بورڈ کو جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں وہ بھی سب پر ظاہر ہو چکی ہیں۔

مسلم پرسنل لا کے معاملے میں اس نے دربان کی حیثیت سے اپنا فریضہ انجام دیا ہے۔ ہندوستانی دستور نے سارے مذاہب کو اپنے مذہبی اصول اور تقاضوں کے مطابق قائم رکھنے کا جو حق دیا ہے، اس حق کو بدلنے کی کوشش یا رکاوٹ ڈالنے کی فکر وقتاً فوقتاً سامنے آئی اور بورڈ نے اس کا مقابلہ کیا۔ اس طریقے سے بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی حق کی حفاظت کا ذریعہ بنتا رہا اور جب ایسی ضرورت پیش آئی تو بورڈ نے جمہوری اور قانونی دائرے میں رہتے ہوئے اپنا فریضہ انجام دیا۔

اس سلسلے میں بورڈ کے ذمہ داروں نے دو باتوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا۔ ایک تو یہ کہ اس ملک میں مسلمانوں کی شناخت جن مذہبی گروہوں اور طبقات پر مشتمل ہے، ان سب کی نمائندگی بورڈ میں رہے اور وہ بورڈ کو اپنی نمائندگی کا حق دیتے رہیں۔

دوسری بات یہ کہ ملک میں جو سیاسی اور اختلافی صورتِ حال پیش آتی رہتی ہے، جس سے آپس میں ٹکراؤ اور فرقہ وارانہ تنازعات پیدا ہوتے ہوں، ان سے اپنے کو الگ رکھیں۔ تاکہ بورڈ اختلافی ادارہ نہ بنے۔ یہ بات اگرچہ خاصی دشوار ہے، لیکن بورڈ نے اس بات کو قائم رکھا۔ اس کی وجہ سے بورڈ کی کوششوں کو سیاسی ٹکراؤ اور سیاسی مفادات کی طلب سے الگ رہا، اور اس کے تحت اس کے ذمہ داروں کا شمار سیاسی مفادات کے طلب گاروں میں نہیں سمجھا جاتا، اور اس کے اٹھائے ہوئے مسائل کو غیر جانبدارانہ، قانون اور جمہوری دائرے میں سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس کی کوششوں کا دائرہ دستور اور قانون کے اندر ہی رہتا ہے۔

اس طرح اس کا اصل کام ملک کے مذاہب کو ان کے مذہبی عمل و کردار کے اپنے اختیار کردہ طریقہ پر باقی رکھنے کا جو پورا حق دینے کا ہے، ملک کے مسلمان باشندوں کو اپنے اس حق کے لیے جب بھی چیلنج پیش آتا ہے تو بورڈ اس کے لیے اپنے مشترکہ مقصد عمل کو اختیار کرتا ہے۔ اب اس میں اس کو قانون کے سیکولر ہونے کے اصول پر زور دیتے ہوئے کسی طرح کی مداخلت کو روکنے کا کام انجام

دینا ہے۔

ہندوستان کی اکثریتی آبادی ہندو ہونے کی بناء پر اس کے بعض زعماء اپنے دین کی بنیاد پر ملک کو چلانے کے مقصد سے کامن سول لا کے طالب ہوتے رہے ہیں، جس کا مقصد ملک کو ہندو مذہبی ملک بنانا ہے، اس کے عمل میں آنے پر مسلمانوں کو اس ملک میں جو مذہبی آزادی حاصل ہے، وہ ختم ہو جائے گی، جب کہ ملک کی آزادی کے موقع پر آبادی کی اکثریت واقلیت دونوں طبقوں کے نمائندوں نے مشترکہ رائے سے ملک کو سیکولر طے کیا تھا تاکہ ملک کے مذہبی طبقوں کو اپنے دینی معاملات میں آزادی وخود مختاری رہے، اور کوئی ایک مذہب دوسرے مذہب پر اور ملکی سیاست کا ملکی مذہب پر کوئی عمل دخل نہ رہے، دستور ہند کے اس فیصلے میں کسی ترمیم سے ملک کی مذہبی آزادی متاثر ہوتی ہے، اور اسلامی مذہب چوں کہ وحی الٰہی کے ذریعہ مقرر کیا گیا ہے، اس میں کسی انسانی ترمیم کی گنجائش نہیں، مسلمان کسی بھی غیر اسلامی ملک میں مذہبی آزادی کی شرط کے ساتھ رہ سکتے ہیں، سیکولر دستور کے تحت اپنے مذہبی احکام پر عمل کرتے ہوئے ملک کی ترقی وخیر پسندی میں برابر شرکت کر سکتے ہیں، اس کی حیثیت باہمی معاہدہ کی سی ہوگی جیسا کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر وہاں کے غیر مسلموں یعنی یہود سے کیا تھا، اور صلح حدیبیہ میں قریش سے کیا تھا۔

ادھر چند دنوں سے کامن سول کوڈ کا مطالبہ جس میں خاص طور پر نکاح، طلاق اور دیگر مذہبی نوعیت کے مسئلے کو موضوع بنا کر اسلامی شریعت میں مداخلت کی کوشش کے آثار سامنے آئے لہذا بورڈ نے اس کو اپنی جد وجہد کا موضوع بنایا اور مذاہب کی آزادی اور خود مختاری کے اصول سے اس کی طرف توجہ دلانے اور اس کے لیے کوشش کرنے کی مسلمانوں کے فعال افراد کو دعوت دی ہے اور بحمد اللہ اس پر متفقہ طور پر اپنی شرکت اختیار کی ہے۔ اس سے اچھی توقع کا اظہار ہوتا ہے۔

حکومت ہند نے سوال نامے کے ذریعے سے اپنی مداخلت کا جو اظہار کیا، اس اظہار کو بورڈ نے مداخلت کے ارادے کا عنوان سمجھا۔ لہذا اسے نا قابل قبول قرار دیا اور کامن سول کوڈ کے ارادوں کا جو اندازہ سامنے آیا، اس کی بنا پر مسلمانوں کے مشترکہ اظہار کے طور پر شریعت میں دخل اندازی کو مسترد کر دینے کے اظہار کو اپنے عمومی دستخطوں کے ذریعے پورے قومی دائرے میں بھیجنے اور باور کرانے کی مہم چلائی جو بحمد اللہ بہت جامع انداز میں اختیار کی گئی۔ امید ہے کہ حکومت اور حسب ضرورت ملک کے اعلیٰ طبقے کے ذہن کو باور کرایا جاسکے گا کہ ملک کے باشندوں کے مذہبی حق میں دخل اندازی دستور کے بھی خلاف ہے اور انسانی حقوق کی بھی خلاف ورزی ہے اور مختلف مذاہب وطبقات پر مشتمل ملک کے مزاج سے ٹکرانے کی بات بھی ہے اور ملک کے متحدہ نظام کے لیے بھی مضرت رساں ہے۔ لہذا ایسے کسی ارادے کو اختیار نہ کیا جائے اور ملک کی متحدہ حیثیت کو برقرار رکھا جائے۔

محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

۱۴۳۸/۰۲/۰۱ھ
۲۰۱۶/۱۱/۰۲ء

اداریہ

مولانا محمد ولی رحمانی
جنرل سکریٹری بورڈ

اللہ نے ہمیں جن نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ کی معرفت عطا کی گئی ہے، ہمیں اس کائنات کے خالق و مالک اور اس کے پروردگار سے تعلق کا اعزاز بخشا گیا ہے، ہمارا سر ایک ایسی ذات کے سامنے جھکتا ہے، جس کے حکم سے نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، اور مصیبتوں سے نجات ملتی ہے، ہماری جبینِ بندگی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ دنیا کی کسی بھی مخلوق کے سامنے نہیں جھکتی، ہمارے پاس اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت ایک نقطہ کی تبدیلی کے بغیر موجود ہے، اسی کی روشنی میں ہمیں زندگی کا سفر کرنا ہے، اور یہ ایسا قانون ہے، جو انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

جو نعمت جتنی بڑی ہوتی ہے، اس کی حفاظت کے لئے اسی قدر جدوجہد بھی کرنی پڑتی ہے، صحابہؓ جب ایمان لائے تو ایسا نہیں ہوا کہ ان کو پھولوں کا ہار پہنایا گیا ہو، اور ان کا استقبال کیا گیا ہو؛ بلکہ اس کے برعکس انہیں بڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑا، انہوں نے جان کا نقصان بھی اٹھایا اور مال کا بھی، دین کے لئے بال بچوں کی بھی قربانی دی اور اپنی عزت و وقار کی بھی؛ حالانکہ وہ اللہ کے برگزیدہ اور نیک ترین لوگ تھے اور اس وقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے ـــــ اس لئے ہر عہد میں ایسے مواقع آسکتے ہیں، جن میں مسلمانوں کا امتحان ہو، امتحان، ثابت قدمی اور دین پر جماؤ کا، اور امتحان، تعلق مع اللہ اور اپنے پیغمبر سے وفاداری و جاں نثاری کا۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ـــــ جب کہ مسلمانوں کے خلاف دھمکی آمیز بیانات دیئے جاتے ہیں، فسادات کرائے جاتے ہیں، جان و مال کا نقصان کرایا جاتا ہے اور بے قصور مسلمانوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا ہے ـــــ ان سب کا مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کا حوصلہ ٹوٹ جائے اور ان کا قدم متزلزل ہو جائے؛ اس لئے اگر ہم اس ملک میں اپنے مذہبی تشخصات کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ کو اس پر آمادہ رکھنا ہوگا کہ اسلام سے تعلق کے راستہ میں جیسی کچھ آزمائش بھی آئے، ہم اپنے حوصلہ کو پست نہیں ہونے دیں گے، اور حالات جیسے کچھ بھی ہوں، ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور ہم خود اپنے طور پر شریعت اسلامی پر عمل پیرا ہوں گے۔

افسوس کہ ہمارے ملک میں ووٹ کی سیاست تمام اخلاقی اقدار پر حاوی ہوگئی ہے، مظلوموں کی لاش پر چڑھ کر اپنا سیاسی قد اونچا کیا جاتا ہے اور ووٹ بٹورے جاتے ہیں، اس بات کا بھی خیال نہیں کیا جاتا کہ ہمارے طرز عمل کی وجہ سے دنیا بھر میں ہماری کیا شبیہ بن رہی ہے، گائے کے نام پر جو سیاست کی گئی، اس نے ہمیں عالمی سطح پر شرمندہ کیا ہے، دنیا میں اس بات کی ہنسی اڑائی جاتی ہے کہ ایک جانور انسان کی ماں کیسے ہوسکتی ہے؟ دادری میں جس طرح کا واقعہ پیش آیا، اس نے یہ تأثر دیا کہ ہندوستان ایک ناروادار ملک بنتا جارہا ہے، اور اس نے سرکاری طور پر شدت پسندی کو اپنا طریقۂ کار بنالیا ہے۔

زندگی کے اکثر شعبوں میں تو یکساں قانون نافذ ہے ہی، خاندانی زندگی کا ہر ایک کے مذہب اور تہذیبی روایات سے بہت قریبی تعلق ہے؛ اس لئے اس میں ہر گروہ کو اپنے اپنے قانون اور طور طریقہ، رسم و رواج پر عمل کرنے کی آزادی دی گئی ہے، متعدد قبائل ـــــ جن میں علاحدگی پسندی کا رجحان پیدا ہو رہا تھا ـــــ کو قومی دھارے میں لانے کے لئے خاص طور پر آئین ہند میں اس بات کا تیقن دیا گیا ہے کہ ان کی سماجی روایات میں دخل نہیں دیا جائے گا ـــــ دستور نے ہر شخص کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی ہے، ان سب کے باوجود یونیفارم سول کوڈ کا نعرہ لگایا جارہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ قومی یکجہتی کو نقصان پہنچانے کی دانستہ کوشش ہے، اور کوئی محبّ وطن شہری ایسی

کوششوں کو قبول نہیں کرسکتا۔

ان حالات میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ملک کے ماحول کو سامنے رکھ کر کوئی قدم اٹھائیں، ایسا نہ ہو کہ ان کے ووٹوں کا بکھراؤ دشمنوں کے منصوبوں کے لئے تقویت کا ذریعہ بن جائے؛ اس لئے ہم میں دینی حمیت کے ساتھ ساتھ سیاسی بالغ نظری بھی ضروری ہے؛ اور جوش کے ساتھ ہوش سے کام لینا وقت کا تقاضہ ہے، ورنہ ہمارے لئے اپنے دستوری حقوق کو حاصل کرنا دشوار سے دشوارتر ہوتا چلا جائے گا۔

ذرائع ابلاغ کو ملک کا ایک اہم ستون سمجھا جاتا ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ مظلوموں کی مدد کرے، ظالموں کے ظلم و جور کا پردہ فاش کرے، سچائی کا طرفدار رہے، مختلف مذاہب، تہذیبوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان محبت اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں مؤثر کردار ادا کرے؛ لیکن بدقسمتی سے اس وقت بڑی حد تک ذرائع ابلاغ اپنے مقصد کے برخلاف کام کررہے ہیں، انہوں نے جھوٹ کو پھیلانے، مظلوم کو ظالم بنا کر پیش کرنے اور ظالم کے ظلم کو تقویت پہنچانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے، اور یہ ایک کڑوی حقیقت ہے کہ وہ نفرت کی سوداگری کررہے ہیں۔ بڑی بدبختانہ بات ہے کہ میڈیا کو سامان تجارت بنالیا گیا ہے، اس صورت حال پر مسلمانوں کی تمام مذہبی اور ملی جماعتوں کو ضرور اور بھرپور توجہ دینی چاہئے، اور خاص کر سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے صحیح صورت حال برادران ملت اور برادران وطن تک پہنچانی چاہئے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر بھی مسلمانوں کو تنہا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ان حالات میں اگر مسلمانوں نے خود اپنی صفوں میں عملی اتحاد پیدا نہیں کیا تو وہ حالات کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے، ادھر ایک طرف یہ صورت حال سامنے آئی ہے کہ مسلمانوں میں مسلکی اختلاف کو بڑھاوا دینے کی کوشش کی گئی، اور افسوس کہ ایک ایسا شخص جو اعلانیہ طور پر اسلام اور مسلمانوں کے موقف کے خلاف باتیں کرتا رہا ہے اور اس کو اپنے عہدہ کا اور اس بات کا بھی احساس نہیں ہے کہ وہ کسی ایک گروہ کا نہیں، پوری قوم کا سربراہ ہے، اس کے سامنے کچھ لوگ فقیرانہ جبۂ و دستار میں پہنچ گئے، اور انہوں نے اپنے اسلاف اور بزرگوں کی روایات کو شرمندہ کیا۔۔۔ دوسری طرف یہ خوش آئند بات ہے کہ بریلوی مکتب فکر کے ایک نمائندہ عالم ومقتدا خود دیوبند پہونچے، اور انہوں نے فاصلوں کو سمیٹنے کی کوشش کی؛ تاکہ مشترکہ مقاصد کے لئے مل جل کر کام کیا جاسکے، اسی طرح تین طلاق کے مسئلہ پر دو مختلف الرائے حلقوں کے ذمہ دار لوگوں نے تحمل اور سمجھداری کا ثبوت دیا، جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین سمجھتے ہیں، انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں، انہیں اپنے نقطۂ نظر پر عمل کرنے کا پورا حق حاصل ہے، اور جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم اس مسئلہ کا بہانہ بنا کر قانون شریعت میں مداخلت کی اجازت نہیں دیں گے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ہمیشہ یہی طرز عمل اختیار کریں، وہ اختلاف کے باوجود مشترک مسائل کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں، اور دشمنوں کو اپنے اختلاف سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیں، ورنہ یہ ایسے نقصان کا باعث بنے گا کہ جس کی تلافی ممکن نہ ہوگی۔

سپریم کورٹ میں پرکاش وغیرہ بمقابلہ پھولا دیوی وغیرہ کا مقدمہ چل رہا تھا، اور معاملہ **سکسیشن** امینڈمنٹ ایکٹ سے متعلق تھا، جسٹس انل آر دوے اور جسٹس آدرش گوئل مقدمہ کی سماعت کررہے تھے، مسلمان کا کوئی ذکر نہیں تھا، مسلم پرسنل لا اور یونیفارم سول کوڈ کا تذکرہ بھی نہیں تھا، مگر انہیں سماعت کے دوران ''تین طلاق کی کثرت'' اور ''مسلمان عورتوں کی بیچارگی اور مظلومیت'' پر بڑا ترس آگیا، اور انہوں نے یہ بھی مان لیا کہ مسلم عورتوں پر ہونیوالی زیادتیوں کا حل یونیفارم سول کوڈ میں ہے، انہوں نے مرکزی حکومت سے کئی سوال کرڈالے، جن میں یہ مفہوم شامل تھا کہ یونیفارم سول کوڈ کو نافذ کرنے میں حکومت کو کیا دشواری ہے، سپریم کورٹ نے تین طلاق، حلالہ اور چار نکاح کی شریعت میں اجازت کے سلسلہ میں بھی حکومت ہند سے رائے دریافت کی، حکومت نے سپریم کورٹ کو اپنی رائے بھیجدی ہے، جو اسلامی قانون کے خلاف ہے، اور یونیفارم سول کوڈ کے سوال کو حکومت نے رائے لینے کے لیے لاکمیشن بھیج دیا ہے، لاکمیشن نے اپنی ویب سائٹ پر ایک اپیل اور سولہ پوائنٹ پر مشتمل سوالنامہ ۷/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو جاری کردیا ہے، پورے ملک سے

اس پر رائے دینے کی اپیل کی ہے، لاکمیشن نئی دہلی کا یہ سوال نامہ بڑی چالا کی سے مرتب کیا گیا ہے، جس میں سوالات اس طرح مرتب کیے گئے ہیں کہ یونیفارم سول کوڈ سے یا تو مکمل اتفاق کیا جائے، نہیں تو یونیفارم سول کوڈ کے کسی حصہ کی تائید ہو جائے۔ سوال نامہ کا ابتدائیہ بھی یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

سپریم کورٹ کے جج صاحبان کی مہربانی سے ایک سے زیادہ نکاح، حلالہ، طلاق اور یونیفارم سول کا معاملہ عدالت عالیہ میں آ گیا، تین خواتین نے بھی اپنے معاملات سپریم کورٹ میں پہونچائے، جمعیۃ علماء ہند نے مداخلت کی اور افڈ وٹ داخل کیا، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مقدمات کا جائزہ لیا، معاملہ کے تمام تر دینی، علمی اور قانونی پہلوؤں کا جائزہ لے کر اپنی درخواست تیار کی، اور ۳۱/اگست ۲۰۱۶ء کو بورڈ کی طرف سے مفصل افڈ وٹ سپریم کورٹ میں داخل کر دیا گیا—— اس درمیان خواتین کی کئی انجمنوں نے طلاق، حلالہ، ایک سے زیادہ نکاح اور یونیفارم سول کوڈ سے متعلق عدالت عالیہ میں درخواستیں دیں، یہ سارے معاملات سپریم کورٹ نے یکجا کر دیئے ہیں، اور جب بھی ساعت ہوگی تمام درخواستیں پیش نظر ہوں گی۔ اور سبھوں کا ایک ساتھ فیصلہ ہوگا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کئی قابل قانون دانوں کے مشورہ اور لانبی بحثوں کے بعد افڈ وٹ کو آخری شکل دی ہے، اور ملک کے کئی بڑے وکیلوں کی خدمات حاصل کی گئیں ہیں۔ جب یہ نازک مقدمہ زیر بحث آئے گا، تو وکلاء کا پینل بورڈ کا نقطۂ نظر عدالت میں رکھے گا اور بحث ہوگی۔

اسی دوران آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے پورے ملک میں دو پرفورما جاری کیا، ایک مردوں کے لیے، دوسرا عورتوں کے لیے—— جس میں تین امور کی وضاحت کرتے ہوئے، دستخط کرنے کا مطالبہ کیا گیا، پرفورما میں جو تین باتیں ہیں، وہ ان الفاظ میں ہیں:

(۱) ہم اسلامی شریعت کے تمام احکام سے خاص طور پر نکاح، طلاق، فسخ، خلع، وراثت کے دینی احکام سے پوری طرح مطمئن ہیں، اور ان میں کسی طرح کی تبدیلی کی ضرورت یا گنجائش سے انکار کرتے ہیں۔

(۲) بھارت میں ہر مذہب کے ماننے والے کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی آئین ہند نے دی ہے، اس لیے ہمیں کسی بھی صورت میں یکساں سول کوڈ قبول نہیں ہے۔

(۳) ہم قانون شریعت کی حفاظت میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ ہیں۔

انہیں تین امور پر مشتمل دستخطی مہم کی بسم اللہ کی گئی ہے، بحمد اللہ بہت بڑے پیمانے پر مختلف ذرائع سے یہ پرفورما پورے ملک میں پہونچا—— یہ بھی ہوا کہ لوگوں نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر اپنے طور پر بھی پرفورما مرتب کیا، اسے نٹ اور واٹس اپ کے ذریعہ عام کر دیا، اس طرح کئی طرح کے پرفورما ملک میں چل رہے ہیں، اور پورے ملک میں دستخطی مہم زوروں پر ہے —— اس مہم کے خلاف کہیں کہیں سازش بھی ہو رہی ہے، یہ بات بڑے پیمانے پر پھیلائی گئی کہ اب اس مہم کی ضرورت نہیں ہے، حکومت نے بورڈ کی بات قبول کر لی ہے، کہیں یونیفارم سول کوڈ کی حمایت میں (بورڈ کے پرفورما کے طرز پر) غلط پرفورما پر دستخطی مہم چلانے کی کوشش ہوئی، کہیں کچھ اور..................

مسلم پرسنل لا بورڈ کی اس مہم کی تمام دینی اور ملی جماعتوں نے کھلے دل سے تائید کی ہے، اور بحمد اللہ یہ مہم جاری ہے ——

تیزی سے بدلتی صورتحال کے پیش نظر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے میٹنگ کی، مسلمانان ہند کے کل جماعتی ذمہ داروں کو نئی دہلی میں ۱۱/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو جمع کیا، جس میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا ارشد مدنی صاحب، جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری اور مولانا محمود مدنی صاحب، اتحاد ملت کانسل کے سربراہ مولانا توقیر رضا خاں صاحب، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب، آل انڈیا مجلس مشاورت کے صدر نوید حامد صاحب، جماعت اسلامی ہند کے جناب محمد جعفر صاحب، اور جناب محمد احمد صاحب، مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے جنرل سکریٹری مولانا اصغر امام مہدی سلفی صاحب، جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کانسل، جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس (رکن مجلس عاملہ بورڈ) جناب مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، جناب مولانا

نیاز احمد صاحب ایڈوکیٹ، جناب کمال فاروقی صاحب (چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ) رکن مجلس عاملہ بورڈ، مولانا انعام الحق مدنی سلفی صاحب، مولانا شوکت علی قاسمی صاحب، مولانا فضل الرحمان صاحب اور راقم الحروف نے شرکت کی۔

ان حضرات نے طویل بحث اور غور وفکر کے بعد لاکمیشن کے سوالنامہ کے مکمل بائیکاٹ کا متفقہ فیصلہ کیا، اور یہ بھی فیصلہ کیا کہ پریس کانفرنس کے ذریعہ اس فیصلہ کا اعلان کیا جائے——۱۳/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو پریس کلب آف انڈیا نئی دہلی میں دو پہر کے وقت پریس کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اوپر لکھے تقریباً تمام حضرات نے شرکت فرمائی، اور اپنے اتحاد، یکجہتی اور ایک موقف کا واضح اظہار کیا، اس پرہجوم پریس کانفرنس اور متحدہ موقف کو میڈیا نے (خلاف توقع) بڑے پیمانے پر پھیلایا، اس کے کئی اجزاء پر متعدد بار کئی دنوں تک مباحثے چلتے رہے، سوشل میڈیا نے بھی پریس کانفرنس کی رپورٹنگ کے سلسلہ میں بڑی دلچسپی لی۔ اور بات بہت دور تک تفصیل کے ساتھ پھیل گئی----کئی ٹی وی چینلوں نے مجھ سے اور کئی ذمہ داروں سے انٹرویو لیے اور نشر کیا، جس سے بورڈ کے موقف کی وضاحت ہوئی، عالمی سہے کے نمائندہ سید فیصل علی صاحب نے مجھ سے قانونی اور سیاسی مسائل پر مشتمل ایک گھنٹہ کا انٹرویو لیا، جسے عالمی سہے چینل نے دوبار نشر کیا، اور وہ یوٹیوب پر موجود ہے، ان نشریات سے حقائق کے کئی پہلو واضح ہوئے اور ''سچ'' کو توانائی ملی۔

۱۹/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی دعوت پر کل جماعتی نشست دوبارہ منعقد ہوئی، اور صورتحال کا تفصیلی جائزہ لیا گیا، اور کچھ اہم فیصلے کیے گئے، اس موقعہ پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی دستخطی مہم کی تائید وحمایت کی گئی، اور مسلمان مردوں اور عورتوں سے اپیل کی گئی کہ وہ دستخطی مہم میں بھر پور حصہ لیں، اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے معاشرتی قوانین، نکاح اور طلاق کے سلسلہ میں اسلام کی ہدایتوں کو عوام تک پہونچائیں، یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ دستخطی مہم میں حصہ لینے کے سوا ابھی کوئی اقدام نہ کیا جائے، دھرنا، بند، جلوس، مظاہرہ اور اجلاس عام نہ کیے جائیں،

۲۰/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو پریس کلب آف انڈیا نئی دہلی میں ایک دوسری بڑی پریس کانفرنس ہوئی، جس میں دلت، قبائلی (شیڈ ولڈ کاسٹ اور شیڈ ولڈ ٹرائب) بدھشٹ اور لنگایت فرقہ کے مشہور نمائندوں نے پریس کو مخاطب کیا، جن میں بام سیف کے صدر وامن میشرام صاحب (صدر بھارت مکتی مورچہ) کورنیشور سوامی (لنگایت مونک) وشو لنگایت مہا سبھا، پروفیسر بھنتے سمیک رکشیت (بدھشت مونک) پروفیسر باباہستے بدھشت انٹرنیشنل سنٹر، جناب پریم کمار گیڈم (راشٹریہ آدی واسی ایکتا پریشد) جناب کمار کالے (دوسرے بیک ورڈ کمیونٹیز) شامل ہیں۔

ان حضرات نے پریس کے سامنے اعلان کیا کہ وہ اور ان کا پورا طبقہ یونیفارم سول کوڈ کے خلاف ہیں، ان کے رسم ورواج، شادی بیاہ اور آپسی جھگڑوں کو نبٹانے کے طریقے اور مرنے کے بعد انجام دی جانیوالی رسمیں ہندوؤں سے بالکل الگ ہیں، وہ اپنے طریقوں، رسم ورواج اور تہذیب کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، نہ وہ ہندو مذہب کا حصہ ہیں، نہ کسی تہذیب میں ضم ہونا چاہتے ہیں——شیڈ ولڈ ٹرائب کے نمائندے نے یہ بھی کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ ان سب سازشوں کا نشانہ مسلمان ہیں، مگر سچائی یہ ہے کہ مسلمان سامنے ضرور ہیں، مگر اصل نشانہ ٹرائب ہیں، جنہیں آئین کے شیڈ ولڈ ۵، ۶ اور ۷ کے تحت کئی تحفظات ملی ہیں——مسٹر پریم کمار گیڈم نے یہ بھی کہا کہ شیڈ ولڈ ٹرائب کی طرف سے سپریم کورٹ میں یونیفارم سول کوڈ کے خلاف پٹیشن دائر کی گئی ہے، ابھی اس کی منظوری نہیں ہوئی ہے۔

پریس کانفرنس میں پریس نوٹ بھی جاری کیا گیا، جسمیں کئی اہم باتوں کا اظہار کیا گیا، سبھوں نے اس نوٹ میں یہ خیال بھی واضح کیا کہ موجودہ گورنمنٹ کا یہ اقدام ملک کی سالمیت کو نقصان پہونچائے گا، اور یہ ملک کی متحدہ ڈھانچہ کی بنیاد کو بڑی حد تک متأثر کرے گا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ۲۵ رواں اجلاس عام ۱۸/۱۹/۲۰/ نومبر کو کلکتہ میں منعقد ہونے جارہا ہے، یہ اجلاس ایسے وقت میں منعقد ہورہا ہے؛ جبکہ ملت اسلامیہ مسائل میں گھری ہوئی ہے اور اقتدار کی کرسیوں پر وہ لوگ براجمان ہیں، جو جمہوری اقدار کے تار و پود کو بکھیرنے پر کمربستہ ہیں، مجھے امید ہے کہ بورڈ بصیرت مندانہ فیصلہ کرنے میں کامیاب ہوگا، اور پوری ملت اس کی آواز پر لبیک کہے گی۔

۞۞۞

مسلم پرسنل لا سے ہم کسی حال میں دستبردار نہیں ہوسکتے

(خطبہ صدارت: مسلم پرسنل لا کنونشن ۱۹۷۲ء ممبئی سے ماخوذ)

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (سابق صدر بورڈ)

ہر دور میں تاریخ کا ظہور کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے لیکن اس دور کا تاریخی ظہور یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے مختلف مکاتب فکر کے علماء دانشور اور رہنما وحدت کلمہ کی بنیاد پر ایک نقطہ وحدت پر جمع ہیں۔ اس کی روشنی میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق توحید ورسالت اور جذبہ وحدت کی جو امانت امت کو سپرد کی گئی تھی ہم اس کی حفاظت کے فریضہ کو فرض کی طرح ادا کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ بلا شبہ یہ امانت ہمیں جان و مال اور آبرو سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنی جانوں سے دستبردار ہوسکتے ہیں مگر اس ازلی اور ابدی امانت سے دست بردار نہیں ہوسکتے۔

یہی وہ روشنی اور رہنمائی ہے جس نے صدیوں کے خلاء کو پر کرکے ہمیں ایمانی عزیمت عطاء کی ہے اور ہم لوگوں کو جو ٹکڑے ٹکڑے تھے، آج کے دن ایک جسم واحد کی طرح ایک جگہ جمع کردیا اور ایک بار پھر اپنی شریعت اور اس کے مسائل کی حفاظت کے لئے اس مقام پر کھڑے ہونے کی ہمت بخشی۔

بلا شبہ جس طرح آج کا یہ اجتماع عظیم ہے اس طرح یہ دن بھی ایک عظیم بلکہ عظیم تر دن ہے جس میں بظاہر ایک ناممکن سی بات نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بن کر سامنے آگئی ہے۔ اور **واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا** کا پاکیزہ منظر آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔

آج پرسنل لا کے نام پر ان تبدیلیوں کا مواد بنام اصلاح وترمیم پیش کیا جارہا ہے۔ کیا حقیقتاً یہ اصلاح اور کوئی اصلاحی تحریک ہے؟ یہ اصلاح اسی قسم کی ہے، جسے قرن اول کے منافقین **انما نحن مصلحون** کے نعرے کے ساتھ لے کر کھڑے ہوئے تھے، لیکن عالم الغیب والشہادہ نے کھلا اعلان فرمادیا تھا **الا انهم هم المفسدون ولكن لا يعلمون**

ہم اپنے دین ودانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی تحریک ہے۔ بلکہ دور بین سے دیکھئے یا خوردبین سے، صاف نظر آئے گا کہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے، جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے، سو یہ آپ کی سیاست ہے، آپ اسے اپنے پاس رکھئے۔

ہندوستان کا دستور، مذہب اور سیاست کو الگ الگ قرار دیتا ہے تو آپ ہمارے مذہب کے معاملے میں اپنی سیاست ملا کر حکومت اور عوام کو ناراض کرنے کی کوشش کیوں کررہے ہیں؟ آپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت ریفارمس چاہتی ہے اور ہم مصلح ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ملک میں سماجی برائیوں، اخلاقی گراوٹوں اور غلاظتوں کے جو ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حکومت کے قانون، حکام کی طاقت اور نام نہاد مصلحین کی اصلاحی مہم کا رخ اس طرف کیوں نہیں؟

مجھے اس وقت ایک سخت لفظ کہنے پر معاف کیجئے کہ وہ سماج کا کتنا دیوث ہے، جو لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور چار شادیوں کی محض اجازت اور وہ بھی خاص شرائط عدل ودیانت سے مشروط اجازت پر اعتراض کرتا ہے اور اس غلاظت پر ان مظلوم قسمت کی ماری بازار گنہگار عورتوں پر کتنے مرد ظلم توڑتے ہیں، نہ کوئی پابندی عائد کرتا ہے اور نہ کوئی دارو گیر کا روادار ہے، سماج نے گناہوں کے بازار لگا رکھے ہیں۔

لیکن اسلام نے سماج کے اس وحشی دستور کے خلاف سو سو بیویاں رکھنے کے قانون کو محدود کرکے اگر چار کی گنجائش دی اور وہ بھی کڑی شرائط کے ساتھ اور اسی بے قید غلاظت سے سماج کو پاک رکھنے کے لئے تو مصلحین کی ٹولیاں قانون کے پشتارے لے کر دوڑ پڑیں، جس ملک میں راتوں کے کلب ہوں، مادر وطن کی بیٹیوں کے بدن سے عصمت وعفت کا لباس رات بھر اتار کر تار تار کیا جارہا ہو اور خدا کے غضب سے حکومت اور سماج بے نیاز ہو، ایسے ملک کے چند ایسے سر پھرے مصلحین کو مسلم پرسنل لا کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے سو بار خود تو شرمانا چاہئے تھا جنہیں بے شرم سماج کو ٹوکنے تک کی بھی ہمت نہیں۔ ان میں اسلام کی فطری اور اعلیٰ وارفع قانون عصمت

پرحرف زنی کرنے کی ہمت آخر کہاں سے پیدا ہوئی؟ بے شمار بچوں کی تعداد پرتو پابندیاں عائد کی جائیں مگر بے شمار غلیظ گناہوں پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی جذبہ نہ ابھرے، خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوں، کہیں بھی ہوں اور کتنے ہی شرمناک انداز میں ہوں۔

اس لئے اسلام نے توحید کو محض شرعیات ہی کی حد تک محدود نہیں رکھا، بلکہ عالم خلق میں بھی ایک ایک فعل، ایک ایک قول اور ایک ایک نیت اور ایک ایک ظاہری ہیئت تک وسیع کر کے توحید عملی کا مستقل نظام قائم کیا ہے، تاکہ زندگی کے ہر ہر موڑ پر اور اس کی ایک ایک نقل وحرکت پر بندہ اپنے خدائے واحد کی طرف رجوع رکھے اور شرک کی آلائشوں سے ملوث نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین خدائی آئین وقوانین کے مجموعے کا نام ہے جو بندوں کی ہدایت ورہنمائی اور ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح وفلاح کے لئے، بتوسط انبیاء معصومین بھیجا جاتا ہے۔ اسلام اسی دین کا اور آخری مکمل نقشہ با بعنوان ودیگر تمام زندگی کے ہر ہر گوشے کے لئے دستور فکر وعمل بنا کر اتارا گیا ہے، جس میں جزئی احکام بھی ہیں اور اصول کلیات بھی، علل احکام بھی ہیں اور مصالح واسرار احکام بھی، ہر حکم کسی نہ کسی علت پر مبنی، اور ہر علت کسی نہ کسی حکمت پر مشتمل، ہر جزئی کسی نہ کسی فطری کلی کے نیچے آئی ہوئی ہے، اور ہر کلی اپنے وسیع دامن میں ہزارہا فطری جزئیات کا ذخیرہ لئے ہوئے، اس لئے دین ایک منظم اور منضبط ضابطۂ حیات کی صورت سے ہے، جس کی تمام جزئیات کلیات کی طرف سمٹتی گئی ہیں، اور کلیات، جزئیات کی طرف پھیلتی گئی ہیں، اور آخر کار یہ ساری کلیات، اپنی جزئیات سمیت، ایک ہی کلی الکلیات یعنی ''علم الٰہی'' سے وابستہ ہوگئی ہے۔

اندریں صورت ان چار اصولوں میں سے کسی ایک کو بھی غیر شریعت کہنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی۔ اور جو حصہ اجتہادی فرعیات کا ہے، خواہ وہ کسی بھی فرقہ کا ہو، وہ جب کہ اس کے علم ویقین کے مطابق، کسی نہ کسی قرآنی یا حدیثی کلیہ سے یا کسی جزئی حکم کی علت جامعہ سے، بتوسط اجتہاد نکلا ہوا ہے، تو کتاب وسنت ہی میں سے نکلا ہوا، اس کا جزو ہوگا۔ جس سے واضح ہے کہ مجتہد کا فعل صرف استخراج واستنباط مسائل ہے، ایجاد مسائل نہیں، مخفی مسئلہ کا بتانا ہے، بنانا نہیں۔ اندریں صورت کوئی وجہ نہیں کہ اسے غیر شریعت کہا جائے، اور اسے شرعی حجت نہ مانا جائے۔

اسی لئے ہم نہ صرف مسلمانوں، بلکہ اس ملک کے عظیم رہنماؤں اور دانشور حکام سے یہ کہتے ہیں اور بڑے خلوص سے کہتے ہیں، کہ ہم یکساں ''سول کوڈ'' کے منصوبے کو مسترد کر کے، اپنے اس عقیدہ کا اعلان کرتے ہیں، کہ ''مسلم پرسنل لا'' میں پارلیمنٹ کے ذریعہ سے ہو، یا حکومت کے راستے سے، یا کسی اسمبلی کی سفارش سے، کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ اسلام کا قانون فطرت الٰہی پر قائم ہے اور وہ ناممکن التبدیل ہے۔ 'فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله (اللہ کی فطرت ہے، جس پر اس نے انسانوں کو بنایا۔ خدا کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی ہے سیدھا دین، لیکن انسانوں کی اکثریت، اس سے جاہل اور ناواقف ہے۔)

اس لئے مذہب اور بالخصوص اسلام کو آدمی کا کوئی نجی اور پرائیویٹ معاملہ کہنا پورے اسلام کا تارو پود بکھیر دینا ہے، جسے اسلام قبول نہیں کرسکتا۔ اگر یہ نام نہاد مصلحین یہ کہنے کی جرأت نہ کرسکتے ہوں، کہ ہندوستان کا قانون آدمی کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اور اس میں جس کا جو جی چاہے، تغیر وتبدل کرسکتا ہے، تو دین اور خدا کے قانون کے بارے میں انہیں یہ جرأت کیوں ہے۔

آج پرسنل لا پر وہی وقت پھر گزر رہا ہے، جو سو برس میں بارہا گزرا اور وہی علماء اس سلسلہ میں پھر کھڑے ہوئے ہیں، جو پہلے سے مدافعت کرتے چلے آرہے ہیں، نیز آج بھی وہی مسلم کہلانے والے چند لوگ اس کی ترمیم کے نعرے لئے ہوئے کھڑے ہیں، جن کا پرانا روگ ایک ہی تھا، اور وہ شرعی مسائل کو لادینی فکر، معاشی یا سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنا اور سوچنا اور اسی خاکہ پر قانون شرعی کو ڈھالنے کی سعی کرنا، درآں حالیکہ وہ ان مسائل اور ان کی حقیقی بنیادوں سے نہ قطعاً واقف ہیں اور نہ ہی ان کے سمجھنے کے ذوق سے آشنا ہیں۔

اس عظیم اجتماع سے جس میں ہر مکتب کے فضلاء جمع ہیں یہ توقع بجا طور پر قائم کی جاسکتی ہے وہ پرسنل لا کو عملاً جاری کردینے کے لئے کوئی راہ عمل متعین کر کے اس کی داغ بیل ڈال دے۔ آخر کلام میں اس گذارش پر اس طولانی دفتر کو ختم کرتا ہوں کہ اس نام پر تمام مکاتب فکر کے ذمہ دار نمائندے متفقہ طریقے پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم پرسنل لا سے کسی حالت میں بھی دستبردار نہیں ہوسکتے، ہم اس کی ترمیم وتبدیلی کبھی گوارا نہیں کرسکتے، اور ہم کسی ایسے مشترک قانون کو کسی طرح قبول نہیں کرسکتے جو پرسنل لا کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو۔ ۞۞۞

مسلم پرسنل لا کو سمجھئے اور اس پر عمل کیجئے

حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ (سابق جنرل سکریٹری بورڈ)

مجھے اس وقت نہ مسلم پرسنل لا کی تاریخ بیان کرنی ہے، نہ اس کے آئینی اور قانونی پس منظر کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے نہ اس سے بحث کرنی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ کا حق کسی آئین ساز جماعت یا پارلیمنٹ کو ہے یا نہیں؟ اور نہ اس راز کو فاش کرنا ہے کہ دوسرے ممالک، جنہیں مسلم ممالک کہا جاتا ہے، نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلیاں کی ہیں یا نہیں؟ بلکہ مجھے اس وقت بہت صاف اور سادہ طریقے پر مسلم پرسنل لا سے متعلق چند وہ باتیں بتلانی ہیں جن سے مسلم معاشرہ کی واقفیت ضروری ہے اور جن کی واقفیت مسلمانوں کو ضرور ہونی چاہئے۔

مسلم پرسنل لا کیا ہے؟

اتنی بات تو سبھی جانتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے جس میں زندگی کے ہر دور اور ہر گوشہ کیلئے احکام وقوانین اور ہدایتیں موجود ہیں، انہیں اسلامی قوانین کا وہ حصہ جس کا تعلق انسان کی ذاتی اور شخصی زندگی سے ہے یا جس کا تعلق مسلمانوں کی عائلی اور خاندانی زندگی سے ہے اسی کا نام ''مسلم پرسنل لا'' ہے۔ میاں و بیوی، باپ و بیٹا، ماں و بیٹی، بھائی و بہن، چچا و بھتیجا خاندان کے ان سارے لوگوں کے تعلقات سے متعلق جو اسلامی قانون ہے اور نکاح و طلاق، فسخ و خلع، حضانت و ولایت، ہبہ و وصیت اور وقف سے متعلق جو اسلامی قوانین ہیں وہ مسلم پرسنل لا کہلاتے ہیں۔

ان سارے عنوانات وابواب سے متعلق مسلمانوں کے پاس اس کی بھیجی ہوئی ہدایت قرآن میں موجود ہے، اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا پیغام سنت کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس پر عمل کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین نے قرآنی ہدایات اور پیغام رسالت کو کس طرح برتا اور استعمال کیا وہ بھی احادیث اور اسلامی تاریخ میں پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ محفوظ ہے۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کے شخصی اور گھریلو معاملات سے متعلق جو اسلامی قوانین ہیں، انہیں کا دوسرا نام ''مسلم پرسنل لا'' ہے۔

چودہ سو سال سے یہ مسلم پرسنل لا مسلمانوں پر نافذ ہے اور مسلمان دنیا کے جس گوشے میں بھی آباد ہیں۔ وہ اسی پرسنل لا پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔

تاریخ کے اس طویل عرصہ میں بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ تہذیبیں بدلی ہیں۔ ملکوں کی معاشرت میں فرق آیا ہے۔ اور نئے مسائل برابر پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن علمائے امت اور ائمہ اسلام نے کتاب وسنت کی روشنی میں نئے مسائل کو حل کیا ہے۔ اور جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر ایسے جوابات دیئے ہیں۔ جن سے معاشرہ میں پیدا ہونے والی دقتیں دور ہوگئی ہیں۔ اور مسلم معاشرہ نے صلاح وفلاح کی طرف قدم آگے بڑھایا ہے۔

یہ شخصی اور گھریلو قوانین ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ قوم کا امتیاز اور ملت کا تشخص باقی رہ سکتا ہے اور یہ پرسنل لا ہی وہ چیز ہے جو ایک معاشرہ کو دوسرے معاشرے سے الگ اور ممتاز کرسکتا ہے۔

اسلامی پرسنل لا کے ذریعہ ایک ایسا معاشرہ تیار ہوتا ہے جس کی بنیاد پر خدا کے وجود اس کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت پر ہوگی۔ اس معاشرہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا جلوہ ہر قدم پر نظر آئے گا۔ اس معاشرہ کا ہر فرد اپنے ایمان لانے کی ذمہ داری کو محسوس کرے گا۔ اور اس یقین کے ساتھ کوئی عملی قدم اٹھائے گا کہ ہمیں خدا کے سامنے اپنے ہر کام کا جواب دینا ہوگا۔

ہندوستان اور مسلم پرسنل لا:

ہندوستان میں بھی مسلم بادشاہوں کے زمانے میں اسلامی قوانین

جاری تھے، جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے حکومت کے نظم ونسق کیلئے اپنا قانون نافذ کیا لیکن شخصی اور گھریلو زندگی کے واسطے انہوں نے اسلامی قانون باقی رکھا اور مسلمانوں کے لئے قاضی مقرر ہوتے رہے۔ پھر انگریزوں نے یہ نظام قضاء بھی ختم کیا اور گھریلو زندگی سے متعلق اسلامی قوانین کا نفاذ عام سرکاری عدالتوں کے حوالہ کر دیا۔ اور اسلامی گھریلو قوانین کا جو حصہ انگریزوں نے عدالتوں کے حوالہ کیا اس کا نام ''مسلم پرسنل لا'' رکھا۔

جب ملک آزاد ہوا اور اس کا دستور بنا تو دستور میں ہندوستان کے رہنے والوں کے عقائد، مذہب اور تہذیب کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ دستور کی دفعہ ۴۴ میں ملک کے لئے یکساں شہری قانون بنانے اور اس کے نافذ کرنے کی طرف رہنمائی کی گئی۔ یہی ہدایتی دفعہ ۴۴ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی راہ پیدا کرتی ہے۔ اس وقت سے اب تک اس سلسلہ میں جو حالات و واقعات پیش آتے رہے ہیں اور حکومت کے ذمہ داروں نے مجالس قانون ساز کے اندر اور باہر جو بیانات دیئے ہیں اور حکومت نے بالواسطہ عام قانون سازی کے ذریعہ یا اپنے بعض سرکلر کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو جس طرح متأثر کرنے کی کوشش کی ہے اس کے پیش نظر ہر مبصر بجا طور پر سمجھ سکتا ہے کہ مسلم پرسنل لا کے معاملہ میں حکومت کے ذمہ داروں کی نیت صاف نہیں ہے اور وہ حضرات جو اس ملک میں قانون کے مفکرین ہیں ان کا ذہن کسی وقت بھی یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے خالی نہیں رہا ہے۔

اس موقعہ پر ایک بات صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ حکومت جمہوری ہے۔ جمہوری قدروں کا تحفظ کرنا چاہتی ہے تو اسے آنکھ کھول کر دیکھ لینا چاہئے کہ مسلمان اپنے پرسنل لا میں تبدیلی کرنا نہیں چاہتے اس معاملہ میں ان کے جذبات بے حد نازک ہیں۔ ۱۹۷۲ء کے بمبئی کنونشن نے پھر حیدرآباد والہ آباد اور بنگلور کے عظیم اجتماعات نے جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تحت منعقد ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستان میں رہنے اور بسنے والے مسلمانوں کا ہر طبقہ، خواہ وہ مذہبی ہو یا ثقافتی، سماجی ہو یا سیاسی مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ اور تبدیلی کا شدید ترین مخالف ہے۔ ان حالات میں ہمارے ملک کی جمہوری حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو مطمئن کرے کہ انکا پرسنل لا دست و برد سے محفوظ رہے گا اور اس سوراخ کو بند کرے جہاں سے مسلم پرسنل لا کی تبدیلی اور مشترکہ سول کوڈ کی تیاری کیلئے مواد فراہم ہوتا ہے اور وہ دستور ہند کی ہدایاتی دفعہ ۴۴ ہے۔

صرف وعدے کافی نہیں!

مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ہندوستان گیر مقبول ترین تحریک اور ہندوستان کے مختلف حلقوں میں بورڈ کی مثالی اور عظیم الشان کانفرنسوں کا، جس میں ملی اتحاد کا بے نظیر مظاہرہ ہوتا رہا ہر طرف دباؤ محسوس کیا گیا۔ اور حکومت کے ذمہ داروں نے کہنا شروع کر دیا کہ حکومت مسلم پرسنل لا میں دخل اندازی اور تبدیلی کا ارادہ نہیں رکھتی ہے۔ لیکن جب تک وہ قوانین اور سرکلر ختم نہیں کر دئے جائیں جو مسلم پرسنل لا کو متاثر کرتے ہیں۔ حکومت کے ذمہ داروں کے ان اعلانات اور بیانات پر کوئی انسان کس طرح مطمئن ہوسکتا ہے۔ اگر صرف بیانوں ہی سے مطمئن ہونے کی بات ہے تو ہندوستان کے دور آزادی میں مسلمانوں کا کون سا مسئلہ ایسا ہے جس کے متعلق حکومت کے ذمہ داروں نے اپنے بیانات سے مطمئن کرنے کی کوشش نہ کی۔ لیکن یہ بھی دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں کے تقریباً تمام مسائل جس جگہ تھے آج بھی اسی جگہ ہیں ان میں کوئی خوشگوار پیش رفت نہ ہوسکی۔

آپ کی ذمہ داری:

اس موقعہ پر جب کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہیں میرا فرض ہے کہ میں خود ان کی ذمہ داری کا انہیں احساس دلاؤں، وہ قوم کبھی زندہ نہیں رہ سکتی جو اپنے مسائل کو دوسروں کے سہارے بالخصوص اقتدار اور حکومت کے ذریعہ حل کرنے کی عادی ہو چکی ہو۔ کسی مقصد کے حصول اور کسی منزل تک پہونچنے کیلئے سب سے پہلے مقصد و منزل کا علم، اس کا تعین اور اس پر یقین ضروری ہے اور پھر مقصد کے حصول کے لئے لگن اور جذبۂ صادق بنیادی شرط ہے۔

جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ مسلم پرسنل لا اسلامی قانون ہی کا حصہ ہے اس لئے اس کے تحفظ کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ سب سے پہلے آپ کو مسلم پرسنل لا اور اس سے متعلق تمام جزئیات کا علم ہونا

چاہئے۔اوران عائلی قوانین کی صحت پر پورایقین ہونا چاہئے کہ انہیں قوانین کے ذریعہ مسلم معاشرہ کی صلاح وفلاح ہوسکتی ہے۔اور پھر یہ عائلی اور شخصی قوانین الگ الگ مسلم افراد پر پورے خاندان پر مسلم معاشرہ میں صحیح طور پر جاری ونافذ ہونا چاہئے۔

آج مسلمانوں میں چار طبقات صاف صاف موجود ہیں۔ایک تو وہ جواسلامی قوانین اور مسلم پرسنل لا سے اچھی طرح واقف ہے......دوسرا وہ جسے براہ راست قرآن وسنت سے اسلامی قوانین کا علم حاصل نہیں لیکن تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔اسلام کا وفاداراور دین کا پورا احترام کرنے والا ہے۔ ایمانداری کے ساتھ مسلم پرسنل لا میں بعض دشواریاں محسوس کرتا ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جوصرف اپنے آپ کو مسلمان اور مسلمانوں کا نمائندہ کہتا ہے لیکن اسلام سے کہیں زیادہ مغربی افکار وخیالات کا وفادار ہے اور دین وشریعت سے بڑھ کر ترقی پسندی کا علمبردار ہے۔

چوتھا طبقہ عام مسلمانوں کا ہے جو ہمارے سامنے بیٹھا ہے یہ اپنے علم شعور کی حد تک دین پر عمل پیرا ہے یہ کسی قیمت پر مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے لئے تیار نہیں۔

آپ کو سب سے پہلے مسلم پرسنل لا اوراس کی تفصیلات کا علم ہونا چاہئے۔......مسلم پرسنل لا سے متعلق قوانین کے استعمال کا صحیح طریقہ معلوم ہونا چاہئے۔مسلم پرسنل لا میں دیئے گئے حقوق کا غلط استعمال اوراس سلسلہ میں ہماری تھوڑی سی لغزش مخالفین کیلئے موادمہیا کرتی ہے۔

ایک مثال:

مثال کے طور پر تین طلاق کے وقوع کا مسئلہ ہے۔یہ ایک واقعہ ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے گا تو تین ہی واقع ہوں گی لیکن اس حق کو آج بہت سی جگہ غلط استعمال کیا جارہا ہے۔

باوجودیکہ اسلام نے رشتہ نکاح توڑنے کیلئے نہیں جوڑنے کیلئے بنایا ہے،اسلام یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ یہ رشتہ آسانی کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتوں پر توڑ دیا جائے لیکن رشتہ نکاح کی مضبوطی اور نزاکت کے باوجود ایسا وقت اور موقعہ بھی آسکتا ہے اور بعض دفعہ آتا ہے کہ دونوں کی زندگی کا سکون اور گھریلو مصالح کا تقاضہ رشتہ توڑ دینے ہی میں ہوتا ہے جس کا اختیار شریعت نے مرد کو براہ راست اور عورت کو بالواسطہ دیا ہے لیکن یہ آپ کو سمجھنا چاہئے کہ طلاق ایک ایسا حق ہے جو انتہائی مجبوری کی حالت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ طلاق ''البغض المباحات'' ہے یعنی جو چیزیں حلال اور مباح کی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے،شریعت نے ہمیں بتلایا ہے کہ تمہیں اگر طلاق ہی دینی ہو تو پاکی کے زمانے میں ایک طلاق دو پھر دیکھو اگر تعلقات استوار نہ ہوں تو دوسرے مہینے میں دوسری طلاق دو، پھر بھی اگر صورتحال نہ بدلے تو تیسرے مہینے تیسری طلاق دیکر ہمیشہ کیلئے علاحدہ کردو۔

ظاہر ہے اگر طلاق دینے کی یہ صحیح صورت اختیار کی جائے تو پھر اس میں غصے اور وقتی جذبات کو دخل نہ ہوگا۔ بلکہ یہ تین وقفہ میں دی گئیں تین طلاقیں مرد کا ایک سوچا سمجھا فیصلہ ہوگا۔ جو انشاءاللہ تعالیٰ فریقین کے حق میں بہتر ہی ثابت ہوگا۔

مسلمانوں سے اپیل:

یہ اوراس قسم کے متعدد مسائل ہیں جن میں ہمارا طریقہ اور عمل شریعت اسلامیہ کی ہدایتوں کے مطابق نہیں ہے جن سے معاشرہ میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم شرعی مسائل کو جانیں اوراسے صحیح طریقے پر اپنے گھروں میں جاری اور نافذ کریں اس طرح ہم مسلم پرسنل لا کا تحفظ کرسکتے ہیں اور ہمیں اس کا یقین ہے کہ اگر ہم نے شریعت کے قانون پر سچا اور کامل یقین رکھا، اسے اپنے گھروں میں صحیح طریقے پر برتا اور استعمال کیا اوراس مقصد کے لئے ہم مجتمع اور متحد رہے تو پھر کوئی طاقت بھی شریعت کے قانون کو تبدیل نہیں کرسکتی۔

خدا سے دعاء ہے کہ وہ ہم کو اور آپ کو صرف نام کا نہیں کام کا مسلمان بناوے،ہمیں اسلامی احکام اوراسلامی قوانین پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔حق تعالیٰ ہمیں ایسی طاقت بخشے کہ ہم اپنے مسائل کو خود حل کرسکیں اوراپنے قانون کی خود حفاظ کرسکیں۔

۞۞۞

عائلی قوانین ایمان وعقیدہ کا بنیادی جزء ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (سابق صدر بورڈ)

ملت ابراہیمیؑ اور دین محمدیﷺ کی اس دعوت کو آج صراحت اور تعین کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے، یہ اس تہذیب کی دعوت ہے جس کی بنا ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی ہے اور تکمیل وتجدید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اجتماع واخلاق میں اس کے معین اصول ہیں، یہ فرد کی حریت اور فلاح کی ضامن ہے، چند معین عقائد، معین اصولوں اور معین کرداروں نے اس کو وجود بخشا ہے، یہ ابراہیم علیہ السلام ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشترکہ دعوت اور میراث ہے اور اس کے سوا کوئی تیسری چیز خدا کو قبول نہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کے ایمان وعقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عائلی قانون (Family Law) اسی خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد وعبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم وخبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی، وہ فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے۔

اسی طرح وہ زمانہ کا خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی وحال و مستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لئے ایک بار یہ مان لینے کے بعد وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے جو ایک زندہ جاوید امت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لئے بنایا گیا ہے تو ترمیم وتبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے ایک اعتقادی وعلمی نفاق کے سوا کچھ نہیں، پھر معاملہ صرف بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل متوازن اور عادل ہونے اور زمان ومکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کے عقلی وعلمی شواہد اور مسلم وغیر مسلم، مشرقی ومغربی فضلاء، جری و انصاف پسند مقننین کے واضح اعترافات اور عملی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی ''شپرہ چشم'' ہی ان سے انکار کرسکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے اور بڑا قیمتی مواد جمع کردیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ افق پر خطرہ کی علامتیں نمایاں ہوگئی ہیں اور یہ بادل جو ابھی کسی وقت گرجتا ہے کسی وقت ضرور برسے گا تو انہوں نے ''مسلم پرسنل لا بورڈ'' کے نام سے دسمبر ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں ایک متحدہ پلیٹ فارم بنایا جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی نوعیت اور اس کے رخ کا جائزہ لیا جاتا رہے، اور مسلمانوں کی رائے عامہ کو بیدار رکھنے کا سامان کیا جاتا رہے، تاکہ اچانک ان پر یہ یا کوئی دوسرا مسئلہ شب خون نہ مارنے پائے یہ ایک ایسا نمائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور عمومیت اور مختلف مکاتب خیال کی نمائندگی کے لحاظ سے تحریک خلافت کے بعد نہیں ملتی، ۱۹۴۷ء کے بعد اتنے بڑے اجتماعات دیکھنے میں نہیں آئے، اس بورڈ کی تشکیل اور اس کے ان شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لا میں اصلاح وترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات کو ہوا کا رخ معلوم ہوگیا، اور اتنا ثابت ہوگیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صد فیصد متفق ہیں، اس لئے دانش مندی، حقیقت پسندی اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضا ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے۔

مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب وتمدن اور فکر ودانش کا ایک مستقل مدرسہ (School of Thought) بھی ہے لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک ''دین'' ہے اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا اور وہ ان کے لئے اسی درجہ کا قابل احترام اور قابل اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لئے اور سارے امتیوں کے لئے۔ ۞۞۞

ہماری ایک اہم ذمہ داری

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (سابق صدر بورڈ)

ملک کی جن فسطائی طاقتوں کو مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی تشخص گوارا نہیں وہ اسلام اور خاص کر اسلام کے عائلی قوانین اور خواتین سے متعلق احکام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں، اور اس کے لئے بعض خواتین تنظیموں کا استعمال بلکہ استحصال کیا جا رہا ہے، اس پس منظر میں یہ بات ضروری ہے کہ ہم مسلمانوں میں شریعت کے احکام اور ان کے مقاصد کا صحیح ادراک وشعور پیدا کریں، عورتوں کے بارے میں اسلام کی فراخ دلانہ تعلیمات کو اجاگر کریں، اور قانونِ شریعت کی حکمتوں اور مصلحتوں سے ان کو واقف کرائیں، ہم انہیں بتائیں کہ طلاق کی گنجائش رکھ کر عورتوں کو تحفظ دیا گیا، تاکہ طلاق کے ذریعہ اس سے زیادہ ناخوشگوار اور تکلیف دہ واقعات کو روکا جا سکے، تفریق کا اختیار عورت کے بجائے عدالت کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ خاندانی نظام میں استحکام باقی رہے، اور علاحدگی کے واقعات کم ہوں، مغربی ممالک جہاں طلاق کا اختیار عورتوں کے ہاتھ میں ہے وہاں طلاق کے واقعات کی کثرت ہے، اور طلاق کی شرح نکاح کی شرح سے بڑھ گئی ہے۔

ہمیں اس بات کو واضح کرنا چاہئے کہ اسلام نے یقیناً ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی ہے، لیکن یہ عدل سے مشروط ہے، اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا ہو تو اسے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں، ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ (النساء: ۳) اسلام میں ایسے تعدد ازدواج کی اجازت ہے جو ضرورت اور سنجیدہ فکر پر مبنی ہو اور جس کا مقصد محض پہلی بیوی کو ایذا پہونچانا نہ ہو، اگر سماجی نقطہ نظر سے غور کیا جائے تو بعض اوقات تعدد ازدواج خود عورت کے لئے باعثِ رحمت بن جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ پہلے رشتہ نکاح کو باقی رکھنے میں مدد ملتی ہے------غرض خصوصیت کے ساتھ اس زمانہ میں میڈیا کی جو اہمیت ہے اس کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئے اور جدید ذرائع ابلاغ کو اس دور کی مضبوط طاقت تصور کر کے اسلام کی تعلیمات کو نہ صرف مسلمانوں تک بلکہ دیگر اہل مذاہب تک بھی پہنچانا چاہئے، اگر ہم میڈیا کو اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات کو پہنچانے کا ذریعہ نہیں بنائیں گے تو دشمنان اسلام غلط فہمیاں پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس کی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہو گی، اس پس منظر میں نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی نئی نسل تک اس امانت کو پہونچائیں اور برادرانِ وطن کو بھی قانونِ شریعت کی اہمیت، افادیت اور حکمت ومصلحت سے واقف کرائیں، تاکہ منفی پروپیگنڈوں اور بہتان تراشیوں کا سدِ باب ہو سکے۔

ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر استقامت ہو، اور ہم باہمی موافقت کے ساتھ تحفظ شریعت کا سفر طے کریں، ہم وحدت کلمہ کی بنیاد پر اپنے آپ کو متحد رکھیں، اپنی صفوں میں شگاف نہ آنے دیں، اور ہر طرح کے انتشار اور بکھراؤ سے اپنے آپ کو بچائیں، اس وقت فاشٹ طاقتیں پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہیں، اس کے لئے سیاسی ہتھکنڈے بھی استعمال کئے جا رہے ہیں، اور مذہبی اختلافات کو بھی ہوا دی جا رہی ہے، ہم آپ سے اور آپ کے واسطہ سے پوری ملت اسلامیہ ہند سے دست بستہ عرض کرتے ہیں اور پوری دل سوزی اور دردمندی سے تمام مسلمانوں سے ان کے ایک حقیر بھائی کی حیثیت سے درخواست کرتے ہیں کہ خدارا! اس سازش کو سمجھیں، دشمن کی عیاری سے متاثر نہ ہوں، فراست ایمانی سے کام لیں اور اخوت اسلامی کو ہر رشتہ وعلاقہ سے زیادہ عزیز رکھیں، اگر ہم نے خدا سے اپنا تعلق استوار رکھا اور تدبر حکمت اور وحدت واجتماعیت کا دامن نہ چھوڑا تو کوئی نہیں جو ہماری راہ روک سکے ورنہ یہ ایسا نقصان ہوگا کہ کبھی اور کسی طرح شاید اس کی تلافی ممکن نہ ہو۔

❁❁❁

شریعت اسلامی میں مداخلت کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے

حضرت مولانا محمد یوسفؒ (سابق امیر جماعت اسلامی ہند)

کسی بھی راسخ العقیدہ مسلمان سے سوال کیجئے کہ وہ اسلامی شریعت سے اتنی محبت کیوں کرتا ہے تو اس کا سیدھا سادا جواب یہ دے گا کہ ایک فرد جو اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتا ہے ان کی اطاعت وفرماں برداری کا عہد کر چکا ہے، اور اس عہد کو أشهد أن لا إله الا الله و أشهد أن محمد رسول الله کہہ کر دن رات میں بار بار دہراتا رہتا ہے۔ اس کی گھٹی اور فطرت میں یہ بات ودیعت ہو چکی ہے کہ وہ اس دین اور شریعت سے محبت کرے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت نازل فرمایا ہے اور اس طرح اپنی چند روزہ زندگی میں خدا کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرے۔ آپ اس سے اگر یہ سوال کریں کہ وہ اپنے پرسنل لا میں ترمیم کیوں نہیں چاہتا تو دو ٹوک لفظوں میں یہی کہے گا کہ چوں کہ اسلامی شریعت کو وہ مکمل اور دین کا جز سمجھتا ہے نیز تمام دنیا کے قوانین سے بالا وبرتر اصح اور کامل سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ مسلم پرسنل لا میں جو شریعت اسلامیہ کا ایک حصہ ہی کسی کتر بیونت کا قائل نہیں ہے۔

مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اسلام صرف نماز، روزہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مکمل دین ہے جس کے ہر جز کی اتباع اسی طرح لازم ہے جس طرح نماز روزہ کے احکام کی۔ لہذا اگر وہ ان تمام احکام کی پابندی کرتا ہے جن میں اس کا پرسنل لا بھی شامل ہے تو وہ امید رکھتا ہے کہ خدا اپنے فضل سے اس کو دائمی مسرت کے اس مقام میں داخل کرے گا جس کا نام جنت ہے، لیکن اگر اس نے کسی حکم کی نافرمانی کی خواہ وہ پرسنل لا ہی کے سلسلہ میں کیوں نہ ہو تو اس کو سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے تصور ہی سے اس کی روح لرز جاتی ہے۔ وہ بہت سنجیدگی کے ساتھ آپ سے یہ بھی کہے گا کہ خدا کے ماننے والے اگر اس کے کسی ایک حکم میں کتر بیونت کرنے لگیں تو ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ دوسرے احکام خداوندی کا کانٹ چھانٹ میں جری ہو جائیں گے بلکہ کسی بھی مروجہ قانون اور لیجسلیچر کے احکام کی پابندی سے بھی گریز کرنے لگیں گے۔

مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ فلاں مسلم ملک نے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کر دی ہے، اس لئے ہندی مسلمانوں کو بھی اپنے پرسنل لا میں تبدیلی کر دینی چاہئے۔ لیکن یہ دلیل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں فلاں مسلمان چوں کہ شراب پیتے ہیں یا جوا کھیلتے ہیں، کیوں نہ دوسرے مسلمان بھی ایسا ہی کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسے استدلال کو استدلال کہنا استدلال کی توہین ہے۔ یہاں سوال اصول کا ہے نہ کہ کسی کے عمل کا۔ اگر کسی کا عمل اصول کے خلاف ہے تو ایسے عمل کو غلط قرار دیا جائے گا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت کے کسی منصوص جز میں ترمیم کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، خواہ اقدام کوئی کرے، بفرض محال ساری دنیا کے مسلمان متفقہ طور پر بھی اگر کسی حکم خداوندی میں ترمیم کر دیں تو ان کا یہ اقدام غلط ہی ہوگا کیوں کہ وہ اس کے قطعی مجاز نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بموجب کہ 'لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق' ایسے تمام احکام وقوانین دیوار پر دے مارنے کے قابل ہیں جو کتاب وسنت سے بے نیاز ہو کر بنائے گئے ہیں۔

جو لوگ ایسے احکام وضع کریں ان کو ڈرنا چاہئے کہ خدا کی سزا بڑی سخت ہے۔ اب ان تبدیلیوں کی بھی حقیقت جان لینی چاہئے جو بعض مسلم ممالک نے، مسلمانوں نے پرسنل لا میں کی ہیں۔ یہ حقیقت فی الاصل بس اتنی ہے کہ جن ممالک میں مسلم پرسنل لا میں ترمیم واصلاح کی گئی ہے ان سب میں سوائے دو ملکوں کے۔ یہ ترمیم واصلاح تمام تر حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے کی گئی ہے۔ یعنی کسی ایک ہی مکتب فقہ کی بجائے مختلف فقہی مسالک کو سامنے رکھ کر اخذ و انتخاب کا طریقہ اختیار کر کے ایک مجموعہ قوانین مدون کر لیا گیا ہے یعنی اس مجموعہ قوانین کا سرچشمہ بہرحال اسلامی ذخیرہ فقہ ہی ہے۔ پھر اس سلسلے میں جو کچھ کیا ہے وہ خود مسلمانوں ہی نے کیا ہے۔ اور علماء ماہرین قانون اسلام کے مشورے سے کیا ہے غیر مسلمین کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں رہا ہے۔ اس ذیل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان مسلمان ملکوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کی کوشش نہیں کی ہے جیسا کہ ہمارے ملک کے سیاست دانوں کے پیش نظر ہے۔ بلکہ غیر مسلموں کے لئے ان کے پرسنل لا محفوظ رکھے گئے ہیں۔

اس بات کو پھر ذہن نشیں کر لینا چاہئے کہ اگر کسی مسلم ملک نے کوئی ایسی تبدیلی کی بھی ہو جو قرآن وسنت کے خلاف ہو تو خدا اور اس کے مقابلے میں یہ ایک باغیانہ روش اور غیر مجاز عمل ہے جس کو نہ تو نظیر بنایا جا سکتا ہے نہ اس کو بنیاد بنا کر قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے پر اصرار کرنے والوں کے مقابلے میں کوئی حجت قائم کی جا سکتی ہے۔ کتاب وسنت ہی دراصل مسلمانوں کی پوری زندگی کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان کا ہر چھوٹا بڑا حکم ان کے لئے واجب الاتباع ہے۔

۞۞۞

اقلیتوں کے حقوق

دستور ہند میں دیئے گئے بنیادی حقوق کی روشنی میں

محمد عبدالرحیم قریشی (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

ہندوستان میں بنیادی حقوق اوراقلیتوں کےحقوق

دستور ہند کی تدوین کے وقت دنیا کے کئی ممالک کے دساتیر کو سامنے رکھا گیااوران میں جوخوبیاں ہیں ان کوچن لیا گیا۔دستور ہند کا تیسرا حصہ شہریوں کے بنیادی حقوق کے بارے میں ہے جو (۲۴) آرٹیکلس یادفعات (دفعہ۱۲ تا دفعہ۳۵) پرمشتمل ہے۔ان میں سے اہم دفعات کا یہاں تذکرہ کیا جارہاہے۔

دفعہ(۱۴) میں قانون کی نظر میں مساوات کی بات کہی گئی اور دفعہ(۱۵) میں مذہب،نسل، جاتی، جنس یا مقام پیدائش کی بنیاد پر امتیاز کی ممانعت ہے۔اس میں خواتین اور بچوں کے لئے اور سماجی وتعلیمی لحاظ سے پس ماندہ طبقات (بیاک ورڈ کلاس) اورشیڈولڈ کاسٹس اورشیڈولڈ ٹرائبس کی ترقی کے لئےخصوصی قوانین بنانے اوراقدامات کرنے کے لئے استثنیٰ فراہم کیا گیاہے۔

دفعہ(۱۶) میں عوامی ملازمت یاروزگار کےمعاملات میں مواقع کی مساوات کولازم قرار دیا گیاہےاس میں بھی استثنیٰ کی شکل میں ان بیاک ورڈ کلاس کے لئے جن کی ملازمتوں میں مناسب نمائندگی نہ ہواوراسی طرح شیڈولڈ کاسٹس اورشیڈولڈ ٹرائبس کی ملازمتوں میں ترقی کے لئے تحفظات (RESERVATIONS) کی راہ نکالی گئی ہے۔

دفعہ (۱۷) چھوت چھات کے خاتمہ اور دفعہ(۱۸) خطابات (TITLES) کےطریقہ کوختم کرنے سے متعلق ہے۔

دفعہ(۱۹) کا عنوان ’’آزادیوں کا حق‘‘ ہے اور اس میں ان بنیادی آزادیوں کو بیان کیا گیا ہے جو دستور ہند، ہندوستان کے شہریوں کوعطا کرتاہےاور یہ ہیں:

(الف) آزادی اظہاروبیان

(ب) پرامن طریقہ پراور اسلحہ کے بغیر جمع ہونے کی آزادی۔

(ج) انجمنیں(ASSOCIATIONS) اور یونین بنانے کی آزادی

(د) سارےملک میں آزادانہ نقل وحرکت کی آزادی

(ھ) ملک کے کسی بھی حصہ میں بسنے اور رہائش اختیار کرنے کی آزادی

(ز) کسی پیشہ کو اختیار کرنے یا کسی ذریعہ آمدنی، ہنر یاتجارت کواختیار کرنے کی آزادی ان آزادیوں کو چندشرائط کا تابع کیا ہے جومعقول اورمناسب ہیں۔

دفعہ(۲۰) میں جرائم پرسزا کے بارے میں اہم اصول بیان کئے گئے ہیں

(۱) صرف کسی قانون کی خلاف ورزی پر ہی سزادی جاسکے گی اورقانون میں درج سزا سےزائد سزانہیں دی جائے گی۔

(۲) کسی جرم کےتعلق سےایک سے زائد مرتبہ استغاثہ نہیں ہوگا اور ایک سے زائد مرتبہ سزانہیں دی جائے گی۔

(۳) کسی کواپنے ہی خلاف گواہی دینے پرمجبورنہیں کیاجائے گا۔

دفعہ(۲۱) میں زندگی اورشخصی آزادی کےتحفظ کوبنیادی حق قرار دیا گیا ہے۔اس دفعہ کےتعلق سے عدالتی فیصلوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ زندگی کے حق میں عمدہ زندگی (DECENT LIFE) کا

خلوت(PRIVACY) کا اور محنت (WORK) کے حقوق شامل ہیں۔

دفعہ (۲۲) میں گرفتاریوں اور نظر بندیوں (DETENTIONS) کے تعلق سے اصول بیان کئے گئے ہیں۔دفعہ (۲۳)میں انسانوں وبھیک منگوں کی تجارت اور منتقلی اور جبری محنت کی ممانعت ہے اور دفعہ (۲۴) کے ذریعہ بچوں سے فیکٹریز وغیرہ میں سخت محنت کروانے سے منع کیا گیا ہے

مذہبی آزادی کے حقوق

دفعہ (۲۵) مذہب وضمیر کی آزادی کے بارے میں ہے اور یہ آزادی صرف اقلیتوں کے لئے نہیں بلکہ تمام شہریوں کے لئے ہے ہندوستان کے ہر شہری کو ضمیر کی آزادی اور مذہب یعنی مذہبی عقیدہ رکھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ وپرچار کی آزادی حاصل ہے یہ آزادی البتہ نظم عامہ، اخلاق، صحت اور دیگر بنیادی حقوق کے تابع ہے۔ یہ دفعہ ریاست کو کسی مذہب عمل سے وابستہ کسی معاشی مالیاتی، سیاسی یا دیگر سیکولر سرگرمیوں کو منضبط کرنے سے نہیں روکتا اور اس طرح کے موجود قوانین کو متاثر نہیں کرتا۔ نیز سماجی بھلائی (معاشرتی فلاح SOCIAL WELFARE) اصلاحات اور عوامی نوعیت کے ہندو مذہبی اداروں کو ہندوؤں کے تمام طبقات کے لئے کھولنے کی غرض سے ریاست کو قانون بنانے کا حق حاصل ہے۔اس دفعہ کے ساتھ دو توضیحات منسلک ہیں، ایک یہ کہ کرپان رکھنا سکھ مذہب کے عقیدہ میں شامل ہے اور دوسرے یہ کہ اس دفعہ میں مستعملہ لفظ ہندو میں سکھ، جینی اور بدھ دھرم کو ماننے والے شامل ہیں۔

دفعہ (۲۶) میں نظم عامہ، اخلاق وصحت کے تابع ہر مذہبی فرقہ یا ذیلی فرقہ کو مذہبی امور کی آزادی کی بات کہی گئی ہے کہ وہ

(الف) مذہبی اور خیراتی مقاصد کے لئے ادارے قائم کرسکتے ہیں اور چلا سکتے ہیں۔

(ب) مذہبی معاملات میں اپنے امور کا خود انتظام کرسکتے ہیں۔

(ج) منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد حاصل کرسکتے ہیں اور اپنی ملکیت میں رکھ سکتے ہیں

(د) ایسی جائیدادوں کا انتظام قانون کے مطابق کرسکتے ہیں۔

دفعہ (۲۷) میں کہا گیا ہے کہ کسی مذہب کے فروغ کے لئے ٹیکس وصول نہیں کیا جائے گا۔ دفعہ (۲۸) میں کہا گیا ہے کہ ریاست کے زیر انتظام یا ریاست کے فنڈ سے چلنے والے تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی البتہ اس ممانعت سے ریاست کے زیر انتظام وہ تعلیمی ادارے مستثنیٰ ہیں جنھیں کسی انڈومنٹ یا ٹرسٹ نے قائم کیا تھا اور جن کے قیام کی غرض وغایت میں مذہبی تعلیم داخل ہے، اس دفعہ میں یہ شق بھی ہے کہ ریاست کی جانب سے مسلمہ یا ریاست کی جانب سے رقمی امداد پانے والے تعلیمی ادارے میں کسی کو مذہبی تعلیم میں شریک ہونے یا مذہبی عبادت میں حصہ لینے کا پابند نہیں کیا جائے گا بجز اس کے کہ وہ شخص یا اس کا سرپرست اس کے لئے رضامندی دے۔

اقلیتوں کے حقوق

اس کے بعد کی دو دفعات ثقافتی اور تعلیمی حقوق سے متعلق ہیں، ان میں لفظ اقلیت (مائناریٹی) استعمال ہوا ہے اور عموماً ان کو ہی اقلیتوں کے حقوق کی دفعات سمجھا جاتا ہے جو پوری طرح صحیح نہیں ہے، مذہبی اقلیتوں کے لئے دفعہ ۲۵، ۲۶ اور ۲۸ کی بڑی اہمیت ہے جو تمام شہریوں کے لئے مذہبی آزادی سے متعلق ہیں۔اس سے پہلے یہ بات بھی واضح کی جاچکی ہے کہ زندگی کے حق اور مساوات کے حق اور ان دونوں پر مبنی دیگر حقوق بھی اقلیتوں کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان کے بغیر اقلیتوں کے حقوق کوئی معنی نہیں رکھتے۔

دفعہ (۲۹) میں کسی زبان، رسم خط یا ثقافت کی بنیاد پر اقلیت قرار پانے والے گروہ کو اپنی زبان، رسم خط یا ثقافت کے تحفظ وبرقراری کا حق دیا گیا ہے۔اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ ریاست کے زیر انتظام یا ریاستی فنڈ سے امداد پانے والے تعلیمی ادارے میں صرف مذہب، نسل، جاتی، زبان کی بنیاد پر داخلہ دینے سے انکار نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ (۳۰) میں اقلیتوں کو تعلیمی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا حق دیا گیا ہے کہ ہر مذہبی ولسانی اقلیت کو اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہوگا اور ریاست امداد دینے کے معاملہ

میں اقلیت کے زیر انتظام تعلیمی اداروں سے امتیاز نہیں برتے گی۔

دستور ہند کے اس حصہ میں بیان کردہ ان بنیادی حقوق کی اہمیت اتنی ہے کہ اگر ان حقوق کا اخلاف یا ان حقوق پر پابندیاں عائد کی جائیں تو دفعہ 32 کی رو سے سپریم کورٹ سے رجوع ہوکر ان حقوق کی بحالی کے احکامات حاصل کئے جاسکتے ہیں، قانون کے اس جز کو جس میں کسی بنیادی حق کو ختم یا کم یا غیر ضروری شرائط کا پابند کیا گیا ہے، سپریم کورٹ بے اثر اور کالعدم قرار دے سکتا ہے۔ اس نوعیت کے کسی بھی حکمنامہ کو بے اثر اور مسترد کرسکتا ہے، دستور ہند کی دفعہ (۲۲۶) کے ذریعہ بنیادی حقوق کے تعلق سے ایسے ہی اختیارات ملک کے تمام ہائیکورٹس کو دیے گئے ہیں۔

جہاں تک آئین وقوانین کا تعلق ہے، بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان میں اقلیتوں کو وہ تمام تحفظات حاصل ہیں جنھیں عالمی سطح پر اور بین الاقوامی اداروں کی جانب سے مہذب معاشرہ کے لئے اور اقلیتوں کو اپنی انفرادیت اور خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں اقلیتوں کی حقیقی صورتحال

ہندوستان کے دستور کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اقلیتوں کو وہ سب کچھ حاصل ہے جن کی وہ توقع کرسکتے ہیں اور جن پر بین الاقوامی اعلانات میں زور دیا گیا ہے مگر جب زمینی صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں تو صورت حال بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ پہلے ہم ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمانوں کا جائزہ لیں گے۔

ہندوستان میں آزادی کا سورج مسلمانوں کے خون کی سرخی میں طلوع ہوا۔ دارالحکومت دہلی میں مسلمانوں پر حملے ہوتے رہے، ان کو قتل کیا جاتا رہا مگر حکومت اور اس کے ذمہ داروں میں سے کسی نے اس کو فوری روکنے اور قاتلوں اور غارت گروں کو قانون کی گرفت میں لانے کی کوشش نہیں کی۔ دہلی کی کہانی ملک کے کئی علاقوں اور مقامات پر دہرائی گئی۔ سونچا گیا کہ ملک کی تقسیم کے ذریعہ پاکستان بنانے کا ردعمل ہے جس کے لئے ہندو، مسلمانوں کو ذمہ دار سمجھتے ہیں اور جیسے جیسے دن گزرتے جائیں گے، تقسیم کا زخم مندمل ہوگا اور مسلمانوں کو امن وچین نصیب ہوگا۔ ۱۳/ سال بعد ہوئے جبلپور کے خوں ریز بھیانک فسادات نے اس سونچ کے کھوکھلے پن کو ظاہر کردیا۔ مسلم کش فسادات کا حال یہ ہے کہ کسی نے بڑا صحیح ریمارک کیا کہ ہم ہندوستان کے جغرافیہ سے فسادات کے ذریعہ واقف ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ کونسا مقام اور کونسا شہر کہاں ہے۔ ہر مسلم کش فساد کے بعد اس کے اسباب وعلل پر لکھا اور کہا جاتا ہے، بڑے فسادات کے سلسلہ میں تحقیقاتی کمیشنوں کے ذریعہ چھان بین بھی کروائی گئیں۔ ان کمیشنوں نے اپنی رپورٹس بھی حکومتوں کے حوالے کیں۔ ان سب کے باوجود مسلم کشی کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ آج بھی معمولی معمولی باتوں اور چھوٹے چھوٹے واقعات پر مسلمانوں کا خون بہایا جاتا ہے، ان کی دکانیں نذر آتش کردی جاتی ہیں، ان کے مکانات اور ان کی املاک کو مسمار کیا جاتا ہے۔

فسادات کے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ خوں ریز اور تباہ کن گجرات کے ۲۰۰۲ء کے فسادات ہیں، جن کو مسلمانوں کی نسل کشی کہا جانا چاہیے۔ گجرات کی اس مسلم نسل کشی میں ریاستی حکومت، ریاستی انتظامیہ اور بالخصوص پولیس کا رول انتہائی قابل اعتراض رہا۔ یہ ریاستی ادارے مسلمانوں کی نسل کشی اور قتل عام میں ملوث رہے۔ ریاستی حکومت سے تو کوئی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ اس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون میں رنگے ہوئے تھے، اس وقت کی مرکزی حکومت کی ذمہ داری تھی مگر این۔ڈی۔اے کی حکومت نے کچھ نہیں کیا، اس کے بعد برسر اقتدار آئی یو۔پی۔اے کی حکومت نے بھی چپ سادھ رکھی۔ اب کچھ عرصہ سے سپریم کورٹ کے احکامات کی وجہ سے یہ امید بندھ رہی ہے کہ گجرات کے قاتلوں اور غارت گروں کے چہرے بے نقاب ہوں گے۔ گجرات کی یہ مسلم کشی ہر پہلو سے نسل کشی (GENOCIDE) ہے جس کو بین الاقوامی قانون سنگین جرم قرار دیتا ہے اور اس میں ملوث مجرم چاہے دستوری حکمراں اور سرکاری عہدیدار ہی کیوں نہ ہوں، ان کو سزا دینے کی ذمہ داری ریاست پر عائد کرتا ہے۔ گجرات کی اس مسلم کشی کو نسل کش قرار دے کر ریاستی حکومت کو برخاست کرنے اور اس کے ذمہ داروں کو قانون کی گرفت میں لاکر سزا دلانے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ ان اقدامات کے لئے جس سیاسی قوت ارادی کی ضرورت ہے وہ یو۔پی۔اے۔ کی اس حکومت میں بھی نظر نہیں آئی جو ۲۰۰۴ء کے الیکشن کے بعد برسر اقتدار آئی۔

مسلم کش فسادات کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر

طوالت کے خوف سے کئی پہلوؤں کو چھوڑتے ہوئے چند اہم پہلو پر اکتفا کروں گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فساد سے پہلے فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کی جاتی ہے، تقریروں اور تحریر کے ذریعہ، افواہوں اور جھوٹے الزامات کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف ہندو برادران وطن کو مشتعل کیا جاتا ہے اور ایسی فرقہ وارانہ کشیدہ فضا میں ایک بہت ہی معمولی سا واقعہ فسادات کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔ فسادات کے انسداد کے لئے ضروری ہے ایسی تحریروں اور تقریروں اور افواہ بازیوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے قانون تعزیرات ہند(INDIAN PENAL CODE) میں ان کو جرم قرار دیا گیا ہے اور اس میں ملوث افراد کو سزا دلائی جاسکتی ہے۔ مگر ریاستی حکومتیں، عہدیدار اور پولیس آنکھیں بند کئے رہتے ہیں اور آج تک ایسے نافرض شناس عہدیداروں کے خلاف کسی حکومت نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ آر۔ ایس۔ ایس اور اس کی محاذی تنظیمیں اور ادارے، ہندو راشٹر کے نظریے کے تحت مسلمانوں کے خلاف مسلسل نفرت پھیلاتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ یہ ملک صرف ہندوؤں کا ہے' مسلمان یا تو ہندو دھرم قبول کریں یا پھر ملک چھوڑ کر چلے جائیں، کسی غیر ہندو کو ملک میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے، مسلمانوں کے خلاف عدم رواداری کی فضا پیدا کرتے ہیں ۔ راوڑ کیلا کے فسادات کی چھان بین کے بعد گاندھی پیس فاونڈیشن نے '' بھیونڈی'' جلگاؤں اور مہاراشٹر کے فسادات کی تحقیقات کے بعد جسٹس ڈی۔ پی۔ مادن نے اور کئی فسادات کے تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹس میں آر۔ ایس۔ ایس، سیوک سنگھیوں کی بنائی گئیں مقامی تنظیموں اور ان کی مخالف مسلم اشتعال انگیزیوں کو ذمہ دار قرار دیا مگر آر۔ ایس۔ ایس یا اس کے مخالف مسلم نظریات کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دینے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اگر پولیس فرض شناس ہو، فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا نہ ہونے دے تو مسلم کشی کے واقعات رونما نہیں ہوسکتے ہیں۔ مگر ہر فساد میں دیکھا گیا کہ پولیس نہ صرف فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنے والوں کی طرف آنکھیں پھیر لیتی ہیں بلکہ فساد پھوٹ پڑنے کے بعد فسادیوں کو کھلی چھوٹ فراہم کرتی ہے بلکہ خود مسلمانوں کے قتل اور ان کی املاک کی تباہی میں شریک ہوجاتی ہے۔ کئی تحقیقاتی کمیشن نے جن میں ممبئ میں ۱۹۹۳ء میں ہوئے فسادات کی تحقیقات کرنے والا جسٹس بی۔ سری کرشنا کمیشن بھی شامل ہے، ایسے پولیس عہدیداروں کی نشاندہی کی جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے۔ ان پولیس آفیسرس کے خلاف ایسی سخت کارروائی ضروری ہے جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ عموماً تو ان کے خلاف کوئی قابل ذکر کارروائی نہیں کی گئی اور اگر کی گئی تو تنخواہ کے ایک تدریجی اضافہ کو روکنے یا سنیاریٹی کی فہرست میں نام کو نیچے کرنے کی حد تک۔ ایسی کارروائیاں دوسروں کے لئے عبرت کا سامان قطعاً فراہم نہیں کرسکتیں۔ پولیس اور انٹلی جنس میں ایسے عہدیداروں کی کمی نہیں ہے جو ذہنی طور پر ہندو راشٹر کے نظریے سے وابستہ ہیں۔ اس لئے خاطی پولیس ملازمین کو عبرتناک سزائیں دینے کے ساتھ پولیس اور عہدیداران پولیس کی وقفہ وقفہ سے ذہنی تربیت ضروری ہے اور دستور، ہندوستانی قومیت کے جس تمدنی تعدد کے نظریے کو پیش کرتا ہے اس کو ان کے ذہن میں اتارنا ضروری ہے۔

عدم رواداری، تنگ نظری، مذہب، زبان یا علاقہ کی بنیاد پر دوسرے شہریوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے والی پارٹیز بڑے منظم طریقہ پر عوام کو متاثر کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ سیکولرزم کی دعویدار سیاسی جماعتوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عوام کے ذہن وفکر کو اپنے نظریات کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔ گجرات کی مسلم نسل کشی کے واقعات اتنے دردناک ہیں کہ سنگ دل سے سنگ دل بھی دل میں درد محسوس کرتا ہے۔ مگر کسی سیکولرزم کی دعویدار سیاسی پارٹی نے گجرات کے عوام میں جاکر ان کے انسانیت کے جذبات کو ابھارنے اور ہندوستانی قومیت کے حقیقی تصور کو پیش کرنے اور فرقہ وارانہ قتل وغارت گری سے ملک کے کمزور ہونے کو پیش نہیں کیا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں کے عوام میں اپنے کئے پر ندامت کا احساس پیدا نہیں ہوا، اس کے برخلاف کئی طبقات میں اپنی درندگی پر فخر کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء ۔ ۱۹۸۰ء کے دہے میں سامپر دائکتا ورودھی سمیتی نامی تنظیم کو مسز سبھد را جوشی نے آگے بڑھایا تھا جس نے ہندو راشٹر کے فسطائی نظریے کے خلاف کئی کتابچے شائع کئے، اخبارات میں مضامین چھپوائے ملک کے مختلف مقامات پر مباحثوں، تقاریر اور سمینارس کا انتظام کیا جس کی وجہ سے ہندوتوا کی فسطائیت کے خلاف ذہن بننے لگا۔ آج ایسی کوششوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ مگر سیکولرزم کی دعویدار پارٹیز الیکشن کے موسم میں ہی

سرگرم ہوتی ہیں۔ جبکہ ان کو عوام کے ذہن وفکر کو بنانے کے لئے ہروقت میدان میں رہنا چاہئے اور جارحانہ فرقہ پرستی کے خلاف عوام کو خبردار کرنا اور ان میں اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا عزم اور ارادہ پیدا کرنا چاہئے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ملک میں صرف مسلمانوں ہی کی جان و مال کی آزمائش ہوتی ہے، دوسری اقلیتوں کو کوئی نہیں چھیڑتا، لیکن اس کی تردید دہلی میں سکھ بھائیوں کے قتل عام سے اور اڑیسہ وکرنا ٹک میں عیسائیوں پر خوں آشام حملوں سے ہوگئی۔ ان واقعات کے بعد سکھ برادری بھی اور عیسائی اقلیت بھی یہ محسوس کرنے لگی کہ صرف مسلمانوں ہی پر قاتلانہ اور غارت گرانہ حملوں کا خطرہ نہیں منڈلاتا ہے اب وہ بھی محسوس کرنے لگے ہیں کہ ملک کی اکثریتی جارحانہ فرقہ پرستی ان کے وجود کو بھی چیلنج کرنے لگی ہے۔ بہرحال جب اولین بنیادی حق یعنی جان و مال وآبرو کے حق کی بات آتی ہے تو افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں اقلیتوں کے اس اہم اور بنیادی حق کو پامال کیا جاتا رہا۔

مسلم اقلیت کے تعلق سے ایک اور مسئلہ کو میں یہاں پیش کرنا چاہوں گا۔ وہ ہے بابری مسجد کا مسئلہ، اس مسئلہ کے تعلق سے یہ قطعاً نہ سمجھا جائے کہ صرف یہ ایک مسجد کا مسئلہ ہے۔ یہ دراصل مسلمانوں کی تمام مساجد اور دیگر اقلیتوں کی تمام عبادت گاہوں کا مسئلہ ہے۔ آر۔ایس۔ایس و دیگر ہندوراشٹر وادی اس بنیاد پر بابری مسجد کو شری رام کی جائے پیدائش بتا رہے ہیں کہ ان کے بقول شری رام کی مورتی نے اس جگہ سے برآمد ہوکر اپنی جائے پیدائش کی نشاندہی کردی ہندو برادران وطن کے کروڑوں دیویوں دیوتاؤں میں ہر ایک اس طرح اپنی جنم بھومی کو بتانے لگے تو پھر کونسی مسجد، کونسا گرودوارہ اور کونسی چرچ بچ سکے گی زمین سے مورتی برآمد کرنا، صحیح الفاظ میں وہاں لے جا کر رکھنا اور برآمد ہونے کا اعلان کرنا کوئی دشوار اور ناممکن کام نہیں ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہندوراشٹر وادی کی حکمت عملی یہ ہے کہ اقلیتوں میں بالعموم اور مسلمانوں میں بالخصوص خوف کا احساس گہرا کیا جائے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگیں کہ اگر ہم اپنے مذہب سے وابستہ رہتے ہیں تو اس کو ملک میں نہ ان کی جان سلامت رہے گی اور نہ ان کا مال محفوظ رہے گا اور جیسے جیسے یہ احساس گہرا ہوتا جائے گا ان کا ذہن اپنے مذہب کو چھوڑ کر ہندو دھرم کو قبول کرنے پر مائل ہوتا جائے گا یہ ہندوراشٹر وادی اب اس خوف میں ایک اور خوف کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ تمہاری عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں رہیں گی، جس وقت اور جب چاہیں تمہاری عبادتگاہوں کو مسمار کیا جا سکتا ہے، پولیس اور حکومت بھی رکاوٹ نہیں بنے گی۔ اگر تم اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت چاہتے ہو تو اس کی بھیک ہم سے مانگو، ہم چند عبادت گاہیں تم سے لے کر چند تمہارے لئے چھوڑ سکتے ہیں۔ یہ ہے مسلمانوں کے اندر خوف کو گہرا اور خوف میں اضافہ کرنے کی **اسٹرٹیجی** ۔اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے ۔لیکن ہم ہندوراشٹر وادیوں سے دوٹوک انداز میں کہنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانوں کی نفسیات کو نہیں سمجھا ہے۔ ان پر مصیبت آتی ہے تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ یہ مصائب سے ڈرکر، جان و مال کے نقصان سے گھبرا کر اپنے دین اور اپنے ایماں سے دستبردار ہونے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ان واقعات نے ان میں اپنے دین وایمان پر مضبوطی سے قائم رہنے کے ارادے اور عزم کو بڑھا دیا ہے۔ اے ہندو راشٹر وادیو، تم نے ملک میں سینکڑوں قتل وغارت گری کے ہنگامے برپا کئے اور ان میں ایک بھی بدبخت مسلمان ایسا نہیں نکلا جو یہ کہے کہ مجھ پر خنجر نہ چلاؤ، میرے گھر کو نہ جلاؤ، میری دکان کو نہ لوٹو میں اپنے دین وایمان کو چھوڑنے کیلئے تیار ہوں۔ مسلمان نیک عمل کے اس معیار پر جو اسلام پیش کرتا ہے نہ اترتا ہو مگر جہاں تک اس کے دل کے اندر ایمان کا تعلق ہے ایک مومن کی مضبوطی اور استقامت موجود ہے۔

بابری مسجد کا مسئلہ حکومت کی ناکامی کی داستان ہے۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ موجودہ ایودھیا، شری رام چندر جی کی افسانوی ایودھیا نگری نہیں ہے اور یہ کہ بابری مسجد، ایسی جگہ پر جہاں کوئی مندر واقع نہیں تھا، بابر نے نہیں بلکہ بابر کے مقرر کردہ عامل میر باقی تاشقندی نے بنائی۔ ان تاریخی مقام کے برعکس کئی جھوٹی کہانیاں گھڑی گئیں اور ان کا زبردست پرچار کیا گیا اور ایسی افواہوں کے ذریعہ بابری مسجد اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائی گئی۔ نفرت انگیز افواہوں کا پھیلانا قانون تعزیرات ہند کے تحت جرم ہے مگر ارباب حکومت نے نفرت کے ان بیوپاریوں کے خلاف آج تک کوئی کارروائی نہیں کی۔

بابری مسجد کے معاملے میں شری لال کرشن اڈوانی کی رتھ یاترا سے لے کر اس تاریخی مسجد کی عمارت کے انہدام تک اور انہدام سے لے کر

آج تک مسلمانوں کو بجا طور پر اتنی شکایتیں ہیں کہ ان کے بیان سے یہ مضمون طویل اور منہ کا مزہ خراب ہو جائے گا۔ مسجد کے انہدام کی تحقیقات کے لئے تشکیل دیئے گئے کمیشن نے ۱۷ر سال بعد ۳۰ر جون ۲۰۰۹ء کو رپورٹ پیش کی ہے، انہدام کے ملزمین کے خلاف فوجداری کارروائی ایک عدالت میں معرض التوا میں ہے کب شروع ہو سکے گی کہا نہیں جا سکتا، دوسری عدالت میں بڑی سست رفتاری سے کچھ عرصہ پہلے شروع ہوئی ہے بہر حال اس مسئلہ میں حکومت کے طرز عمل کی وجہ سے ہندوستانی جمہوریت پر سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔ جمہوریت نام ہے قانون کی عملداری اور حکمرانی کا اور یہ اصول مسلسل پامال ہوتا جا رہا ہے۔

مسلمانوں کے ایک اور مسئلہ کا ذکر میں یہاں کرنا چاہوں گا۔ مسلم پرسنل لا یعنی مسلم فیملی لا مسلمانوں کے دین اور ایمان کا جز ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے میں برادران وطن کو دشواری محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ ہندو برادران وطن کے پاس ان معاملات میں ان کے دھارمک قانون کی اہمیت بس اتنی ہے کہ اگر ان کے علاقے میں یا ان کے کسی طبقہ میں کوئی رواج ہے جو قانون کے مطابق نہیں ہے تو برتری رواج کو حاصل ہوگی اور دھارمک قانون پس پشت ڈال دیا جائے گا۔

عیسائیوں میں پروٹسٹنٹ فرقہ تو لا آف دی لینڈ (LAW OF THE LAND) کا قائل ہو گیا ہے اس لئے ان کے پاس مذہبی قانون کی خاص اہمیت نہیں ہے۔ برادران وطن مسلمانوں کی اپنے پرسنل لا سے وابستگی کے جذبہ کو سمجھیں یا نہ سمجھیں، انہیں اور ملک کو اتنی بات تو سمجھ لینا چاہئے کہ جب دستور کی دفعہ (۲۵) میں عقیدہ کے مطابق عمل کی آزادی کو بنیادی حق تسلیم کر لیا گیا ہے اور مسلمان اپنے پرسنل لا کو مذہب وعقیدہ کا اہم حصہ سمجھتے ہیں تو ان کو یہ حق دیا جانا چاہئے۔ دفعہ (۲۹) میں اقلیتوں کو اپنے کلچر کے تحفظ اور اس کی برقراری وفروغ کا حق دیا گیا ہے اور اس حق کی رو سے بھی مسلمانوں کے مسلم پرسنل لا میں کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔

مسلمانوں کے حقوق اور ان کے مسائل کے اور بھی کئی پہلو ہیں، اردو بہر حال اب مسلمانوں کی زبان اور ان کا کلچر بن گئی ہے اور اس زبان کے تعلق سے جو رویہ حکومتوں کا رہا ہے اس کے لئے حق تلفی اور ظلم کے الفاظ بھی ہلکے معلوم ہوتے ہیں مسلمانوں کی عوامی خدمات اور سرکاری ملازمتوں میں نمائندگی کی بات آتی ہے تو انگریزی کا یہ محاورہ منطبق ہوتا ہے کہ مسلمان (LAST TO BE HIRED, FIRST TO BE FIRED) شہری ہے جسٹس راجندر سچر کمیٹی کی رپورٹ سے کئی حقیقتیں سامنے آئی ہیں۔ ریزرویشن کی بات نکلتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ دستور میں مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ دستور کی تدوین کے وقت دستور ساز اسمبلی میں سکھوں کے نمائندہ سردار اجل سنگھ نے اقلیتوں کے لئے ریزرویشن کی تجویز پیش کی تھی جس کو منظور کر لیا گیا۔ مگر بعد میں لفظ مائنارٹیز، کو بیاک ورڈ کلاس، سے بدل دیا گیا اور اس دفعہ کی دستور ساز اسمبلی میں یہ وضاحت کی گئی کہ لفظ کی اس تبدیلی سے اقلیتیں ریزرویشن کے حق سے محروم نہیں ہوں گی۔ آج ریزرویشن کی اس تاریخ کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔ آجکل مسلمانوں پر سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان کو دہشت گرد قرار دے کر مصائب میں مبتلا کرنے اور ان کے خلاف ہندو برادران وطن میں نفرت کو ابھارنے کی سازش کارفرما ہے کہیں کوئی دھماکہ ہوتا ہے یا پٹاخہ پھٹتا ہے تو فوری ہی مسلمانوں کی طرف انگلی اٹھا دی جاتی ہے جس کے بعد ان کی بے تحاشا گرفتاریوں اور ان کو ٹارچر کرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان گرفتاریوں سے پہلے کسی نوعیت کی شہادت پولیس کے پاس نہیں ہوتی اور سپریم کورٹ نے گرفتاریوں کے لئے جو اصول وضوابط بنائے ہیں، ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس طرح کا دردناک ٹارچر کیا جاتا ہے کہ اس کے بیان ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دہشت گردی کے جھوٹے الزام کے تحت مسلمانوں کی دارو گیر پر پوری کتاب مرتب ہو سکتی ہے، اس لئے میں اس مختصر تبصرہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ بھی یاد رہے کہ بین الاقوامی میثاقات کے تحت ٹارچر ممنوع ہے۔

الحاصل یہ کہ ہندوستان میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو دستوری اور قانونی اعتبار سے وہ حقوق حاصل ہیں جو ان کی باعزت، پروقار اور عمدہ زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔ لیکن ان حقوق کی عملی صورت گری کے لئے رواداری، بقائے باہم اور عدل وانصاف کا ماحول نہیں بنایا گیا جس کے نتیجہ میں اقلیتیں اور بالخصوص مسلم اقلیت، خوف کے سایہ میں زندگی گزار رہی ہے۔

❁❁❁

تحفظ شریعت کا کارواں

ماضی، حال اور مستقبل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

''ایمان'' اللہ تعالیٰ پر یقین کرنے کا اور ''اسلام'' اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے، اللہ کے احکام پر عمل صرف اس لئے ضروری نہیں ہے کہ اس میں اپنے خالق اور پروردگار کی خوشنودی اور آخرت کی نجات ہے ؛ بلکہ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی کی کامیابی اور راحت وسکون بھی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت میں ہی مضمر ہے ؛ کیوں کہ خدا اس کائنات کا بھی خالق ہے اور انسان کا بھی ، اور خالق سے بڑھ کر اپنی مخلوق کے نفع وضرر سے کوئی اور ذات واقف نہیں ہوسکتی ؛ چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ انسانیت کی تخلیق بھی خدا ہی نے کی ہے اور اسی کا حکم اس لائق ہے کہ انسان اس پر چلے: ''أَلاَ لَہُ الْخَلْقُ وَالأَمْرُ''۔ (الاعراف:۵۴)

اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے زندگی گزارنے کا جو طریقہ متعین کیا گیا ہے، اس کو ''شریعت'' کہتے ہیں ،شریعت الٰہی اپنی آخری اور مکمل صورت میں پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی ،شریعت کے بعض احکام وہ ہیں ،جن میں بنیادی اُصول ومقاصد کی وضاحت کردی گئی ہے، جزئیات وتفصیلات کو زیادہ واضح نہیں کیا گیا ہے، جیسے مالی معاملات اور سیاسی مسائل ؛ تاکہ زمانہ کی تبدیلیوں کے لحاظ سے احکام کو منطبق کیا جاسکے، جب کہ زندگی کے بعض مسائل وہ ہیں ،جن میں مقاصد بھی بیان کردیئے گئے ہیں اور اس کی عملی شکل کو بھی زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہ ہیں عبادات اور خاندانی زندگی کے مسائل۔

خاندانی زندگی کے مسائل سے مراد ہے: نکاح ،طلاق ، والدین و اولاد اور زوجین کے حقوق ، میراث وصیت وغیرہ ، ان کو فقہ اسلامی کے ماہرین ''مناکحات'' سے تعبیر کرتے تھے اور موجودہ قانونی اصطلاح میں ''پرسنل لا'' کہا جاتا ہے،ان قوانین کی جڑیں کتاب وسنت میں نہایت گہرائی کے ساتھ پیوست ہیں ؛ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نکاح وطلاق اور میراث وغیرہ کے احکام قرآن میں جس قدر وضاحت کے ساتھ مذکور ہیں ، نماز ، روزہ اور حج و زکوٰۃ کے مسائل بھی اس درجہ صراحت و وضاحت کے ساتھ ذکر نہیں کئے گئے ہیں ؛ اس لئے مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں ، مسلم ملک میں یا غیر مسلم ملک میں، وہ ان قوانین پر عمل کرنے کے پابند ہیں ، اِن پر عمل نہ کرنے سے انسان گنہگار قرار پاتا ہے اور اگر کوئی ان قوانین کو ماننے ہی سے انکار کردے اور خدا کی بھیجی ہوئی شریعت کے مقابلہ انسان کے بنائے ہوئے قانون کو ترجیح دینے لگے تو یہ کفر ہے۔

قیام کا پس منظر

اسی لئے ہندوستان میں مسلم حکومت کے ختم ہونے کے بعد ابتداء ہی سے علماء نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو پرسنل لا کے معاملہ میں قانون شریعت پر عمل کرنے کی آزادی حاصل رہے۔

برطانوی عہد میں ایک خاص واقعہ پیش آیا کہ میمن کمیونٹی سے متعلق ایک خاندان میں بھائیوں نے بہنوں کو حصہ دینے سے انکار کردیا اور والد کے پورے متروکہ پر قابض ہوجانے کی کوشش کی ، بہنوں نے عدالت میں حق میراث کا دعویٰ کیا ، بہنوں کا کہنا تھا کہ شریعت اسلامی نے ہمیں والدین کے ترکہ میں لازمی طور پر حقدار بنایا ہے؛ اس لئے ہمیں میراث میں حصہ ملنا چاہئے ، بھائیوں نے یہ کہہ کر اس دعویٰ کی مخالفت کی کہ ہمارے آباء واجداد ہندو تھے؛ اس لئے ہمارے یہاں یہی رسم چلی آرہی ہے کہ بیٹیوں کو میراث نہیں دی جاتی ہے؛ اس لئے ہماری بہنوں کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہے، جو لوگ الہامی قانون سے محروم ہیں ، یا اس کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور خود انسان

کو وضع قانون کا حق دیتے ہیں، ان کے نزدیک رواج کو بڑی اہمیت حاصل ہے؛ کیونکہ رسم و رواج چند افراد کی نہیں بلکہ پورے سماج کے طرز عمل کی نمائندگی کرتا ہے، اس لئے عدالت نے رواجی عمل کو قانون شریعت پر ترجیح دیتے ہوئے بھائیوں کے حق میں فیصلہ کیا، اس پس منظر میں، جمعیت علماء ہند جو اس وقت مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم تھی اور اس کے تنظیمی ڈھانچہ میں مختلف مسلک و مشرب کے افراد شامل تھے، نے جدوجہد کی، جس کی قیادت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں ہوئیں، ان کوششوں کے نتیجہ میں شریعت اپلی کیشن ایکٹ (1937) پاس ہوا، جس میں یہ بات تسلیم کی گئی کہ پرسنل لاء سے متعلق مسائل میں اگر مقدمہ کے دونوں فریق مسلمان ہوں تو ان پر شرعی قانون کا اطلاق کیا جائے گا۔

چونکہ فقہ حنفی میں فسخ نکاح سے متعلق قوانین میں زیادہ تر احتیاط کا پہلو اختیار کیا گیا ہے اور فسخ و تفریق میں خواتین کو دشواری ہوتی ہے، اس لئے بعض مسلمان عورتیں اپنے شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کیلئے مرتد ہونے لگیں، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فسخ و تفریق کے بعض مسائل میں فقہ مالکی پر فتویٰ دیا، پورے ملک کے معروف ارباب افتاء سے اس کی تصدیق کرائی اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' نامی کتاب مرتب فرمائی؛ چنانچہ جمعیت علماء ہند کی کوششوں سے 1939 میں قانون انفساخ نکاح منظور کرایا گیا، جو زیادہ تر فقہ مالکی سے استفادہ پر مبنی ہے۔

آزادی کے بعد ملک کے دستور کی دفعہ: ۲۵ میں تمام شہریوں کیلئے مذہب پر عقیدہ رکھنے، مذہب پر عمل کرنے اور مذہب کی تبلیغ کرنے کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے، مذہب پر عمل کرنے میں یقینی طور پر مسلم پرسنل لا شامل ہے؛ اور معزز عدالتیں بھی اس کو تسلیم کرتی رہی ہیں؛ لیکن دستور کے رہنما اُصول میں جو ہدایات دی گئی ہیں، ان میں یہ بات بھی شامل کر دی گئی کہ بتدریج ملک میں ''یکساں سول کوڈ'' نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی؛ حالاں کہ دستور ساز کونسل کے بعض مسلم ممبران نے اس پر اعتراض بھی کیا، مگر اسے قبول نہیں کیا گیا اور اس وقت حالات ایسے نہیں تھے کہ اس کے خلاف کوئی تحریک چلائی جائے؛ اس لئے یہ دفعہ جوں کی توں باقی رہی، پھر آخر کچھ عرصہ بعد محسوس ہونے لگا کہ حکومت کے تیور اچھے نہیں ہیں اور وہ مسلمانوں کو ان کے شرعی قوانین سے محروم کرنے کے درپے ہے، اس کا کچھ اندازہ تو اسی وقت ہو چکا تھا، جب ۱۹۵۰ء میں ہندو کوڈ بل پیش کرتے ہوئے مرکزی وزیر قانون مسٹر پائسکر نے کہا تھا کہ ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جا رہی ہیں، وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی، پھر ۱۹۶۳ء میں مرکزی حکومت نے بزعم خود مسلم پرسنل لا میں ''اصلاح'' کے لئے مستقل کمیشن قائم کیا، جس نے حکومت کے منفی رویہ کو اور واضح کر دیا، اور اس کا کھل کر اظہار اس وقت ہوا، جب ۱۹۷۲ء میں متبنّٰی کے متعلق ایسا قانون لانے کی کوشش کی گئی، جس کے تحت لے پالک کو حقیقی بیٹے کی حیثیت حاصل ہو اور مسلمانوں پر بھی اس کا اطلاق ہو۔

اس پس منظر میں امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے ۲۸/ جولائی ۱۹۶۳ء کو انجمن اسلامیہ ہال، پٹنہ میں ''بہار اسٹیٹ مسلم پرسنل لا کانفرنس'' طلب کی، امارت شرعیہ بہار اس کی داعی تھی، ملک کی دو بڑی تنظیموں --- جمعیۃ علماء ہند اور جماعتِ اسلامی ہند --- کے اس وقت کے سربراہان مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ کے علاوہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مولانا عبدالرؤفؒ ایم، ایل، سی (ناظم: جمعیۃ علماء اتر پردیش) اور جناب منظور احسن اعجازی نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی، مولانا عثمانیؒ نے صدارت کی اور مولانا ندویؒ نے افتتاح فرمایا، اس طرح ملتِ اسلامیہ کی یہ پہلی مشترکہ آواز تھی، جو آزاد ہندوستان میں قانون شریعت کی حفاظت کے لئے بلند ہوئی، پھر حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک پر ۱۳ و ۱۴/ مارچ ۱۹۷۲ء کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے دیوبند میں مسلم پرسنل لا کے موضوع پر ایک کل جماعتی اجلاس منعقد فرمایا، اجلاس کے شرکاء میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ (صدر مسلم مجلس مشاورت) مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ (ناظم جمعیۃ علماء ہند) مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ (قاضی شریعت بہار و اُڑیسہ و جھارکھنڈ) ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنوریؒ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، ڈاکٹر طاہر محمود، مولانا عامر عثمانیؒ وغیرہ شریک ہوئے، اس نشست میں طے پایا کہ چوں کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی زیادہ تر آواز ممبئی سے اُٹھ رہی ہے؛ اس لئے اسی شہر میں اس موضوع پر ایک کنونشن منعقد کیا جائے۔

چنانچہ ۲۷و۲۸ ؍دسمبر ۱۹۷۲ء کو یہ تاریخ ساز کنونشن منعقد ہوا، جس کو مسلمانان ہند کے تمام مکاتب فکر کی بھرپور تائید حاصل تھی، اس اجلاس میں باتفاق رائے آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور ۷؍اپریل ۱۹۷۳ء کو اجلاس حیدرآباد میں بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بورڈ کے پہلے صدر اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، ۱۷؍جولائی ۱۹۸۳ء کو حضرت قاری صاحبؒ کی وفات ہوئی اور ۲۸؍دسمبر ۱۹۸۳ء کو چنئی کے اجلاس میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو بورڈ کا دوسرا صدر منتخب کیا گیا، پھر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی وفات کے بعد ۲۳؍اپریل ۲۰۰۰ء کو لکھنؤ کے ایک خصوصی اجلاس میں فقیہ ملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو بورڈ کا تیسرا صدر منتخب کیا گیا، مولانا قاسمیؒ کی وفات کے بعد ۲۳؍جون ۲۰۰۲ء کو حیدرآباد کے اجلاس میں موجودہ صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا بحیثیت صدر انتخاب عمل میں آیا، مختلف اوقات میں دیوبندی حلقہ سے امیر شریعت حضرت مولانا ابوالسعود احمدؒ، بریلوی مکتبہ فکر سے حضرت مولانا مفتی برہان الحق جبل پوریؒ، حضرت مولانا مظفر حسین کچھوچھویؒ، حضرت مولانا محمد محمد الحسینیؒ (سجادہ نشیں گلبرگہ شریف)، شیعہ مکتبہ فکر سے حضرت مولانا کلب عابد مجتہد، اہل حدیث حلقہ سے حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفیؒ، حضرت مولانا مختار احمد ندویؒ، جماعت اسلامی سے حضرت مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور مولانا سراج الحسن صاحب مدظلہٗ بورڈ کے نائب صدر رہ چکے ہیں، اس وقت حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، حضرت مولانا سید شاہ فخر الدین اشرف (سجادہ نشیں آستانہ عالیہ مخدوم اشرف)، حضرت مولانا کلب صادق (لکھنؤ)، حضرت مولانا سید جلال الدین عمری اور حضرت مولانا کاکا سعید احمد عمری نائب صدر ہیں۔

بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ ـــــ جن کا بورڈ کی تاسیس میں بنیادی حصہ رہا ہے ـــــ کی ۱۹؍مارچ ۱۹۹۱ء کو وفات ہوئی اور مئی ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ بورڈ کے دوسرے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، ۱۷؍اکتوبر ۲۰۱۵ء کو آپ کی بھی وفات ہوگئی، بورڈ کے کاموں کے پھیلاؤ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی زندگی ہی میں آپ کی گزارش اور عاملہ کے مشورہ سے صدر بورڈ نے حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کو ۷؍جون ۲۰۱۵ء کی مجلس عاملہ میں کارگزار جنرل سکریٹری مقرر کیا، پھر حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی وفات کے بعد ۱۶؍اپریل ۲۰۱۶ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد ہونے والی مجلس عاملہ میں ارکان عاملہ کے مشورہ سے حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی کو جنرل سکریٹری نامزد کیا، ملک کے موجودہ حالات میں یہ بہترین انتخاب ہے؛ کیونکہ اس وقت ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی، جو قائدانہ صلاحیت رکھتی ہو، حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرسکتی ہو، راہ سیاست کے نشیب وفراز سے واقف ہو، زمانہ شناس اور فقہ وقانون کی رمز شناس ہو اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا رحمانی کو یقیناً ان اوصاف کا حامل بنایا ہے اور وہ اول دن سے بورڈ کے کاموں میں شریک رہے ہیں۔

بورڈ کے ایک اہم ذمہ دار محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحبؒ تھے، وہ رانچی اجلاس (۱۵/۱۶؍اکتوبر ۱۹۷۷ء) میں بورڈ کے رکن بنے، وہ بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری حضرت مولانا محمد منت اللہ رحمانیؒ کے بڑے معتمد تھے، اسی طرح حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ بھی ان کے بڑے قدردانوں میں تھے، انہوں نے طویل عرصہ بورڈ کے سکریٹری اور پھر اسسٹنٹ جنرل سکریٹری کی حیثیت سے اس طرح خدمت انجام دی کہ وہ بیک وقت بورڈ کا دماغ بھی تھے اور اس کی زبان بھی، موجودہ صدر بورڈ بھی ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے، مؤرخہ ۱۴؍جنوری ۲۰۱۶ء کو ان کی وفات ہوئی، اسی طرح جناب محمد یوسف پٹیلؒ اور جناب عبدالستار یوسف شیخؒ اول دن سے بورڈ کے سکریٹری رہے، جناب محمد یوسف پٹیل صاحبؒ کی وفات تو کافی پہلے ہوچکی؛ لیکن جناب عبدالستار یوسف شیخ صاحبؒ کچھ ہی عرصہ پہلے ۱۷؍فروری ۲۰۱۶ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے، اب اس وقت جنرل سکریٹری کے ساتھ بورڈ کے دو سکریٹریز خدمت انجام دے رہے ہیں، حضرت مولانا شاہ محمد فضل الرحیم مجددی اور یہ حقیر ـــــ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۳ء تک مصطفیٰ فقیہ صاحبؒ پھر ۱۹۸۳ء سے ۲۰۰۴ء تک مولانا عبدالکریم پاریکھؒ (ناگپور) بورڈ کے خازن رہے اور ۲۰۰۵ء سے اب تک پروفیسر ریاض عمر صاحب (دہلی) سے یہ خدمت متعلق ہے۔

خدمات اور حصولیابیاں

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے تینتالیس سالہ عہد میں جو خدمات انجام دی ہیں، یہاں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

☆ ۲۳؍مئی ۱۹۷۲ء کو پارلیمنٹ میں ہندو قانون تبنیت ونفقہ ۱۹۶۵ء کی جگہ نئے قانون کا بل پیش کیا گیا؛ تاکہ مسلمانوں کے بشمول تمام شہریوں پر اس کا اطلاق ہو، اس مجوزہ قانون کی رو سے گود لئے ہوئے بچہ کو حقیقی بیٹے کی حیثیت حاصل ہوجاتی، جو صریح طور پر قرآن مجید کے بیان کئے ہوئے قانون کے خلاف ہے۔ بورڈ نے اس کے خلاف اول روز سے تحریک چلائی، بالآخر ۱۹؍جولائی ۱۹۷۸ء کو جنتا پارٹی کی حکومت نے اس بل کو واپس لے لیا، پھر کانگریس کی حکومت واپس آنے کے بعد ۱۶؍دسمبر ۱۹۸۰ء کو دوبارہ یہ بل پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا؛ لیکن بورڈ کی کوشش سے مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کردیا گیا۔

☆ جون ۱۹۷۵ء میں اس وقت کی وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی نے ایمرجنسی نافذ کردی، اس کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ آنجہانی سنجے گاندھی نے جبری طور پر نس بندی کی مہم چلائی، مسلمان اس تحریک کا خاص نشانہ تھے، ظلم و جور کا بازار گرم تھا اور حکومت کے کسی فیصلہ کے خلاف زبان کھولنے کی بھی اجازت نہیں تھی، ان حالات میں ۱۷؍و۱۸؍اپریل ۱۹۷۶ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا، جس میں جبری نس بندی کے خلاف تجویز منظور کی گئی، پریس نے ان تجاویز کو شائع کرنے سے انکار کردیا؛ لیکن بورڈ نے ورقیہ شائع کرکے ملک کے کونے کونے تک اسے پہنچایا، نیز اسی ماحول میں امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے ''خاندانی منصوبہ بندی'' کے نام سے رسالہ تالیف فرمایا، جو اُردو، ہندی اور انگریزی میں بڑی تعداد میں شائع کیا گیا اور اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

☆ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں الہ آباد ہائیکورٹ کے لکھنؤ بینچ نے ایک ایسا فیصلہ دیا، جس کے تحت لکھنؤ کی دو مسجدوں، ایک قبرستان اور جئے پور کی ایک مسجد کو وہاں کی میونسپل کارپوریشن نے ایکوائر کرلیا، بورڈ کی کوششوں سے یہ قبرستان اور مسجدیں مسلمانوں کو واپس کردی گئیں۔

☆ نیوسی، آر، پی، سی، کی دفعہ ۱۲۵ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ طلاق کے بعد بھی جب تک مطلّقہ کا دوسرا نکاح نہ ہوجائے، وہ نفقہ کی حقدار رہے گی، مسلم پرسنل لا بورڈ کے مطالبہ پر دفعہ ۱۲۷ کا اضافہ کیا گیا، جس کی رو سے طلاق دینے والا شوہر اگر واجبات ادا کردے، تو پھر نفقہ منسوخ ہوجائے گا، یہ ایک حد تک دفعہ ۱۲۵ کے مضر اثرات کا ازالہ کرتی ہے، مگر مختلف عدالتوں کے فیصلوں نے اس ترمیم کو بے اثر کرکے رکھ دیا، بالآخر بورڈ نے اس سلسلہ میں زبردست مہم چلائی اور ۶؍مئی ۱۹۸۶ء کو ''قانون حقوق مسلم مطلقہ'' پاس ہوا، جو بورڈ کی ایک بڑی کامیابی تھی، مگر افسوس کہ تعبیر کے نقائص کی وجہ سے یہ قانون سازی بھی بے فائدہ رہی، جس کی اصلاح کے لئے جد وجہد جاری ہے۔

☆ اپریل ۱۹۸۰ء میں ایک ایسا قانون بنا، جس کے تحت ایسی تمام جائدادوں پر انکم ٹیکس عائد ہوتا تھا، ۱۹۷۳ء کے بعد؛ جن کی آمدنی میں اضافہ ہوا تھا، سوائے اس کے کہ اس اضافہ شدہ جائیداد کو فروخت کرکے اس کی رقم کسی نیشنلائز ڈ بینک میں فکس ڈپازٹ کردی جائے، بورڈ نے اس کے خلاف سخت جد وجہد کی اور بالآخر یہ بلا ''مسلم اوقاف'' کے سر سے ٹل گئی۔

☆ بورڈ عرصہ سے اس بات کے لئے کوشاں رہا ہے کہ قانون وقف کو ایسا بنایا جائے کہ وقف کا تحفظ آسان ہو، وہ با اختیار ادارہ ہو اور مسلمانوں کا نمائندہ ہو، ۱۹۸۴ء میں حکومت نے اچانک ایسا بل پیش کردیا، جو اوقافی جائدادوں کے لئے نہایت نقصان دہ تھا، اس کے بعد وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء بنایا گیا، جس میں بورڈ کی کئی تجاویز شامل کی گئیں اور بعض خامیاں باقی رہ گئیں؛ لیکن افسوس کہ ترمیم شدہ وقف بل ۲۰۱۰ء بھی نہایت عجلت میں لوک سبھا سے پاس کرالیا گیا، جس میں اب بھی بہت ساری خامیاں تھیں۔ اس قانون کی رو سے جن املاکِ وقف کا رجسٹریشن نہیں ہوا ہو، ان کی موقوفہ حیثیت تسلیم نہیں کی گئی اور غیر مسلم راجاؤں وغیرہ نے مسجدوں، درگاہوں اور قبرستانوں کیلئے جو جائیدادیں عطیہ کی ہیں، وہ اوقاف کے دائرہ سے باہر ہوگئیں، بورڈ نے اس سلسلہ میں بھرپور تحریک چلائی، یہاں تک کہ ۲۰۱۳ء میں وقف ترمیمی بل پیش ہوا اور یہ خامیاں دور ہوئیں —— البتہ ابھی بھی یہ قانون، وقف کے تحفظ کے لئے ناکافی ہے اور بورڈ کا مطالبہ ہے کہ عوامی مفادات کی حامل املاک کی حفاظت اور ان سے ناجائز قبضہ کی برخاستگی کے سلسلہ میں جو خصوصی قانون ہے، وقف سے متعلق بھی اسی طرح کا قانون آنا چاہئے۔

☆ اسی دور میں انکم ٹیکس کی جگہ ایک نیا قانون ''ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ بل'' کے نام سے زیرغور تھا، حکومت کے اعلان کے مطابق اپریل ۲۰۱۲ء سے یہ قانون نافذ ہونے والا تھا، اس قانون میں لفظوں کا کھیل کھیل کر دھوکہ دیا گیا تھا، اس میں یہ بات تسلیم کی گئی تھی کہ نان پروفٹ آرگنائزیشن پر ٹیکس نہیں لگے گا، ظاہر ہے کہ مساجد و مدارس وغیرہ اسی زمرہ میں آتے ہیں، لیکن Non Profit Organisation کی تعریف عجیب وغریب کی گئی تھی کہ وہ ایک ذات اور ایک مذہب کے ماننے والوں کیلئے نہ بنایا گیا ہو، اس لحاظ سے مساجد، مدارس، خانقاہیں، درگاہیں ان سب کو ٹیکس ادا کرنا پڑسکتا تھا اور وہ بھی 30 رفیصد کی شرح سے، بورڈ کی کوششوں سے یہ مجوزہ قانون نہیں بن پایا اور مذہبی ادارے ٹیکس کی زد سے محفوظ رہے۔

رائٹ ٹو ایجوکیشن اور قانون وقف کی اصلاح نیز ڈائریکٹ ٹیکس کوڈ کو روکنے کیلئے بورڈ نے ''آئینی حقوق بچاؤ'' تحریک کے نام سے موجودہ جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی کی زیر قیادت جو ملک گیر تحریک چلائی تھی، بورڈ کے ذمہ داران، ارکان اور برادران اسلام کے بھرپور تعاون کے ذریعہ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی، فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

☆ دارالقضاء کے خلاف ۲۰۰۵ء میں وشولوچن مدن نامی شخص نے سپریم کورٹ سے رجوع کیا تھا اور اس میں اس نظام کو متوازی عدالت قرار دیتے ہوئے اس پر پابندی لگانے کی درخواست کی تھی، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اس مقدمہ میں فریق بنتے ہوئے بھرپور پیروی کی، وکلاء اور علماء نے مل کر بیان تحریری تیار کیا اور حکومت نے بھی — جن کو اصلاً مقدمہ میں فریق بنایا گیا تھا — اسی کے موافق اپنا جواب داخل کیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ۷رجولائی ۲۰۱۴ء کو جسٹس سی کے پرساد نے اپنا فیصلہ سنایا، فیصلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ وشولوچن کی درخواست خارج کردی گئی ہے، کورٹ نے اپنے فیصلہ میں کہا کہ لوگ اپنے ذاتی تنازعات کو حل کرنے کیلئے دارالقضاء جاسکتے ہیں اور دارالقضاء کی حیثیت متوازی عدالت کی نہیں ہے؛ کیونکہ وہ بزور طاقت اپنا فیصلہ نافذ نہیں کرتی، فریقین کے اختیار سے ہی فیصلہ نافذ ہوتا ہے، کورٹ نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ اس سے عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ کم ہوتا ہے۔

☆ ۲۰۰۵ء کو شبنم ہاشمی نے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی کہ مسلمان مرد وعورت کو بھی گود لینے کی اجازت دی جائے، دوسرے فرقوں کیلئے جب اس کا راستہ کھلا ہوا ہے تو مسلمانوں کو اس سے روکنا، دستور میں دیئے گئے اس تیقن کے مغایر ہے کہ مذہب کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی، بورڈ اس مقدمہ میں فریق بنا اور بالآخر عدالت نے یہ دعویٰ مسترد کردیا۔

☆ گزشتہ یو پی اے عہد حکومت میں دہلی ہائی کورٹ نے فیصلہ کیا کہ ہم جنسی کو قابل تعزیر جرائم کی فہرست سے نکال دیا جائے، اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل ہوئی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ بھی اس میں فریق بنا اور بحمد اللہ سپریم کورٹ نے دہلی ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کو رد کردیا۔

☆ ۱۹۸۶ء میں ناجائز اور نا منصفانہ طور پر بابری مسجد کا تالہ کھول دیا گیا اور ۱۹۴۸ء میں غلط طریقہ پر رکھے گئے بتوں کی عام پوجا شروع ہوگئی، اس مسئلہ کے لئے ایکشن کمیٹیاں قائم ہوئیں؛ لیکن بعد کو یہ اندیشہ محسوس کیا جانے لگا کہ کہیں بعض خدا ناترس افراد ہندوفرقہ پرست تنظیموں سے مسجد کا سودا نہ کرلیں، اس پس منظر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے زیر صدارت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے ۳ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا، اور عاملہ نے طے کردیا کہ یہ جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے، نہ اس کی حیثیت میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے، نہ اس کی خرید وفروخت کی جاسکتی ہے، نہ کسی مصالحت کی بنیاد پر کسی فرد، جماعت یا حکومت کے حوالہ کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی حکومت اس سے انکار کرسکتی ہے، افسوس کہ ۶ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو مسجد شہید کردی گئی، اس کے بعد مسلمانوں کے مطالبہ پر بورڈ نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا، بورڈ بابری مسجد کی اراضی کی حقیت اور انہدام مسجد سے متعلق مقدمات کی پیروی کررہا ہے، حقیت کے سلسلہ میں الہ آباد ہائیکورٹ کے نزاعی فیصلہ کے بعد بورڈ نے اسے سپریم کورٹ میں چیلنج کیا ہے۔

☆ حکومت دینی مدارس کے نظام میں دخیل ہونے کے لئے طویل عرصہ سے کوشاں ہے؛ چنانچہ ۲۰۰۶ء میں اس نے ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' کے قائم کرنے کا فیصلہ کیا؛ تاکہ مدارس گورنمنٹ سے مربوط ہوجائیں، مسلم پرسنل لا بورڈ نے ہمیشہ اس سے اختلاف کیا اور حکومت سے نمائندگی کی؛

چنانچہ بالآخر حکومت سرکاری مدرسہ بورڈ کی تجویز سے دست بردار ہوگئی۔

☆ ایک مقدمہ میں جسٹس کاٹجو نے ایک مسلمان طالب علم کے داڑھی رکھنے کی اجازت طلب کرنے پر نقد کرتے ہوئے اسے ''طالبانی کلچر'' قرار دے دیا، بورڈ کی جانب سے موجودہ جنرل سکریٹری مولانا سید محمد ولی رحمانی نے اس ریمارک کے خلاف خطوط و مراسلات بھیجنے کی مہم چلائی اور بالآخر جسٹس کاٹجو نے اپنے ریمارک واپس لینے کا اعلان کیا۔

☆ بعض ریاستوں میں پہلے بھی وندے ماترم اور سوریہ نمسکار نافذ کرنے کی بات کہی گئی تھی، بورڈ نے بروقت اس کی مخالفت کی اور اس کے بہتر اثرات مرتب ہوئے تھے، موجودہ مودی گورنمنٹ آنے کے بعد دوبارہ یہ کوشش شروع ہوگئی اور یوگا کے واسطہ سے اسکولوں اور سرکاری آفسوں میں سوریہ نمسکار رلانے کی کوشش کی جارہی ہے، بورڈ نے اس پر بروقت نوٹس لیا اور نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دوسری مذہبی اقلیتوں کو بھی اس جانب متوجہ کیا، اس کے بہتر اثرات مرتب ہوئے، حکومت نیز برسراقتدار پارٹی کو بھی معذرت کا لہجہ اختیار کرنا پڑا، بعض ریاستوں میں اسکولوں کے اندر سوریہ نمسکار کو لازم کردیا گیا تھا، بعد میں حکومت نے لزوم ختم کرتے ہوئے اس کو اختیاری عمل کا درجہ دے دیا؛ لیکن بورڈ کیلئے یہ بات بھی قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ ایک سیکولر ملک میں سرکاری اداروں میں اختیاری طور پر بھی کوئی ایسا عمل انجام نہیں دیا جاسکتا، جو کسی خاص مذہب کی فکر پر مبنی ہو۔

☆ گزشتہ یوپی اے گورنمنٹ کے دور میں رائٹ ٹو ایجوکیشن قانون پاس ہوا، اس قانون کے اعتبار سے تمام دینی مدارس بند ہوجاتے، وہ غیر قانونی قرار پاتے اور مدارس کے ذمہ داران، نیز طلبہ کے سرپرستان مستحق تعزیر ہوسکتے تھے، مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی، بالآخر حکومت نے واضح طور پر قانون میں ترمیم کے ذریعہ دینی مدارس کو مستثنیٰ کیا اور اہم اصلاحات بھی نافذ کیں۔

☆ بورڈ کے علمی کارناموں میں ایک ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' کی ترتیب واشاعت ہے، شاہ بانو مقدمہ کے موقع پر ایک ایسے مجموعہ کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی، جس میں دفعہ وار اسلام کے عائلی قوانین ذکر کئے جائیں؛ چنانچہ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے اپنی خصوصی رہنمائی اور نگرانی میں اس کی ترتیب کا کام شروع کرایا، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ (مفتی دارالعلوم دیوبند) کو اس پر مامور فرمایا اور چند علماء و ماہرین قانون کے تعاون سے ۱۹۹۹ء میں اس کی ترتیب مکمل ہوئی، پھر نظر ثانی وغیرہ کے بعد ۱۹/اگست ۲۰۰۱ء کو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اس کی رسم اجراء انجام دی، جس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا؛ لیکن ضرورت محسوس کی گئی کہ دوبارہ انگریزی میں اس کا ترجمہ ہو پھر جب ترجمہ کا کام شروع ہوا تو قانون دانوں کی طرف سے قانونی کتابوں کے اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے بعض ترمیمات کا مشورہ آیا، چنانچہ بحمد اللہ یہ کام مکمل ہوگیا ہے، اب اس میں فقہ شافعی اور فقہ سلفی کا بھی اضافہ کردیا گیا ہے، اور اسی طرز پر انگریزی ترجمہ بھی مکمل ہوگیا ہے۔

☆ حکومت کافی عرصہ پہلے نکاح کے لازمی رجسٹریشن کا قانون لانے کے لئے کوشاں تھی؛ اس لئے بورڈ نے کافی پہلے طے کیا تھا کہ وہ خود ایک ''نکاح نامہ'' مرتب کرے اور مسلمانوں میں اسے رواج دینے کی کوشش کی جائے؛ چنانچہ یہ نکاح نامہ مرتب ہوا اور اجلاس بھوپال ۲۰۰۵ء میں اسے منظوری دی گئی، نکاح کی تفصیلات کے اندراج کے علاوہ اس نکاح نامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر زوجین اس پر دستخط کردیں تو انھیں ازدواجی نزاعات حل کرنے کے لئے عدالتوں میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور دارالقضاء یا شرعی پنچائت کے ذریعہ ان کے اختلافات حل ہوجائیں گے۔

☆ <u>یہ تو مسلم پرسنل لا بورڈ کی ان خدمات کا مختصر تذکرہ تھا، جو محدود اور متعین طور پر انجام پائی ہیں؛ لیکن بورڈ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق اور مشترکہ ایجنڈہ کے لئے اشتراک و تعاون کا مزاج پیدا کیا ہے، ان کے اندر اپنی مذہبی شناخت اور تہذیبی تشخص کے جذبہ کو پروان چڑھایا ہے، اور انھیں اجتماعیت کی دولت سے سرفراز کیا ہے، یہ بورڈ کا سب سے بڑا اور سب سے اہم کارنامہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کیفیت کو باقی رکھے۔</u>

مختلف شعبے

☆ بورڈ شروع ہی سے دارالقضاء کے نظام کو قائم کرنے کے لئے کوشاں رہا ہے؛ تاکہ مسلمان شرعی طریقہ پر اپنے مسائل کو حل کیا کریں؛ چنانچہ اب تک پچاس کے قریب دارالقضاء بورڈ کے تحت قائم ہوچکے ہیں اور

اس کے لئے ایک مستقل کمیٹی قائم ہے، پہلے اس کے کنویز حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ تھے، ان کی وفات کے بعد اب اس کے کنویز مولانا عتیق احمد بستوی ہیں۔

☆ مسلمانوں کا صرف حکومت سے مطالبہ کرنا کہ ان کے شرعی قوانین میں مداخلت نہیں کی جائے، کافی نہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر اپنی زندگی میں شریعت کو نافذ کریں، اس مہم کے لئے بورڈ میں اصلاح معاشرہ کا ایک مستقل شعبہ قائم ہے اور اس کمیٹی کے کنویز بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب ہیں، بورڈ کی جانب سے اصلاح معاشرہ کی غرض سے بہت سے رسائل شائع کئے گئے ہیں، ورکشاپ منعقد ہوئے ہیں اور اجتماعات کا اہتمام کیا گیا ہے؛ چنانچہ اب یہ دینی مدارس اور مذہبی وسماجی تنظیموں کے جلسوں اور اجتماعات کا اہم عنوان بن گیا ہے۔

☆ اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مسلم اور غیر مسلم قانون دانوں کو شریعت کے احکام اور ان احکام کی حکمتوں سے واقف کرانے کے لئے مناسب نظم کیا جائے؛ تاکہ لوگ قانون شریعت کی روح سے واقف ہوسکیں اور ان کی غلط فہمیاں دور ہوں، اسی پس منظر میں اجلاس بھوپال ۲۰۰۵ء میں ''تفہیم شریعت'' کمیٹی تشکیل دی گئی، اور حضرت مولانا جلال الدین عمری اس کے کنویز بنائے گئے، پھر جب وہ جماعتِ اسلامی کے امیر منتخب ہوئے تو عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس ذمہ داری سے معذرت کردی؛ چنانچہ اِس وقت یہ حقیر اس کمیٹی کا کنویز ہے، وکلاء اور قانون دانوں کے درمیان تفہیم شریعت کے پروگرام منعقد ہوتے رہتے ہیں اور بورڈ نے اس موضوع سے متعلق متعدد رسائل بھی شائع کئے ہیں؛ بحمد اللہ ملک کے تقریباً تمام ہی علاقوں میں اس کے پروگرام ہوچکے ہیں، لوگ اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے خود بھی یہ پروگرام رکھتے ہیں اور کئی اہم کتابیں اس شعبہ نے شائع کی ہیں۔

☆ بورڈ کی ایک اہم ترین کمیٹی ''لیگل کمیٹی'' ہے، جو شریعت پر اثر انداز ہونے والے عدالتی فیصلوں اور پارلیمنٹ سے پاس ہونے والے ایسے قوانین پر نظر رکھتی ہے، جو مسلم پرسنل لا پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور بورڈ جن مقدمات کی پیروی کررہا ہے، ان کے لئے شرعی اور قانونی امداد فراہم کرتی ہے، اس کمیٹی میں وکلاء بھی ہیں اور علماء بھی، اور جناب یوسف حاتم مچھالہ اس کے کنویز ہیں۔

☆ مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل زیادہ تر خواتین سے مربوط ہیں؛ اس لئے مسلم خواتین کو باشعور بنانے اور شرعی احکام سے واقف کرانے کو بورڈ نے شروع سے خصوصی اہمیت دی ہے؛ چنانچہ اجلاس کانپور ۱۹۸۹ء میں بورڈ نے ''مسلم خواتین سیل'' قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سال کو ''سالِ خواتین'' کی حیثیت سے منایا، مختلف شہروں میں اس سیل کے تحت خواتین کے اجتماعات منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

☆ بورڈ رائے عامہ کو بیدار کرنے، لوگوں میں شعور پیدا کرنے اور مسلم پرسنل لا کی اہمیت اور افادیت سے واقف کرانے کے لئے اُردو، انگریزی اور ہندوستان کی مختلف مقامی زبانوں میں لٹریچر کی اشاعت پر توجہ دیتا رہا ہے؛ چنانچہ اب تک بورڈ سے بحیثیت مجموعی تین درجن کے قریب کتابیں اور رسائل شائع ہوچکے ہیں، جو اپنے موضوع پر بڑے مفید اور اہم ہیں۔

☆ بورڈ مسلمانوں کو اپنی کارکردگی سے مطلع رکھنے اور مسلمانوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ۲۰۰۵ء سے مسلسل پابندی کے ساتھ سہ ماہی خبرنامہ شائع کررہا ہے، جس میں بورڈ کی خدمات کے علاوہ مسلم پرسنل لا سے متعلق اہم مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے ہیں۔

☆ بورڈ اپنی تحریک کو آگے بڑھانے اور اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ملک کے بڑے شہروں میں اجلاس عام بھی منعقد کرتا رہا ہے؛ چنانچہ اب تک ۲۴ ر اجلاس منعقد ہوچکے ہیں اور ۹۷ ر مجلس عاملہ کی مشاورتی نشستیں منعقد ہوئی ہیں۔

موجودہ سرگرمیاں

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس وقت اصلاح معاشرہ، دارالقضاء، تفہیم شریعت اور قانونی جائزہ وغیرہ کے علاوہ جن معاملات اور مسائل کو حل کرنے میں عدالتی اور سیاسی سطح پر کوشش کررہا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

☆ بابری مسجد کی حقیت کے سلسلہ میں سپریم کورٹ میں زیر دوراں مقدمہ کی پیروی کی جارہی رہے۔

☆ بابری مسجد سے متعلق ''لبراہن کمیشن'' میں بورڈ مسلسل پیروی کرتا رہا ہے اور اب کمیشن کی رپورٹ حکومت کے حوالہ ہوچکی ہے۔

☆ بابری مسجد کی شہادت سے متعلق رائے بریلی اور لکھنؤ کی عدالتوں میں زیرِ دوراں مقدمات میں پیروی کی جارہی ہے۔

☆ اتر پردیش کے مروجہ قانون کے مطابق زرعی زمینوں میں لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا، اس کے لئے یوپی گورنمنٹ سے بورڈ ربط میں ہے۔

☆ ''نکاح رجسٹریشن ایکٹ'' میں تبدیلی کے لئے بھی سرکاری سطح پر کوششیں جاری ہیں، اور اس حد تک کامیابی ملی ہے کہ جو رجسٹرڈ شدہ نکاح نہیں ہیں، ان کو غیر معتبر تصور نہیں کیا جائے گا۔

☆ بعض مقدمات میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جب تک ثالث بنا کر باہمی اختلافات کو حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے، اگر مرد طلاق دے دے تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، بورڈ قانون کے ذریعہ ایسے فیصلوں نیز نفقہ و مطلقہ سے متعلق ہونے والے فیصلوں کو بے اثر کرنے کے لئے مسلسل کوشش کررہی ہے۔

☆ مختلف ریاستوں میں نابالغوں کے نکاح کو منع کرنے سے متعلق قوانین بن چکے ہیں اور ان کا نفاذ بھی عمل میں آچکا ہے، بورڈ اس کی مخالفت کرتا رہا ہے اور اس میں مناسب تبدیلی کے لئے حکومت سے رابطہ میں ہے۔

☆ ۲۰۱۴ء میں این ڈی اے کے برسر اقتدار آنے کے بعد اقلیتوں کی مذہبی آزادی اور ان کے دستوری حقوق پر خطرات کے بادل منڈلانے لگے، کہا جانے لگا کہ دستور سے 'سیکولرزم' کا لفظ نکال دیا جانا چاہئے، کچھ اور لوگوں نے کہا کہ اس کی کوئی اور تعریف ہونی چاہئے، مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کیلئے شریعت اپلی کیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء اور قانون انفساخ نکاح ۱۹۳۹ء کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسے ازکاررفتہ قانون کے نام پر ختم کردینے کی بات کی جانے لگی، تعلیم کو زعفرانی رنگ دینے کی بھرپور کوششیں کی جارہی ہیں، کہا گیا کہ گیتا کو قومی کتاب کا درجہ دیا جانا چاہئے، غرض کہ اقلیتوں کی مذہبی آزادی پر بھی حملہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور دستور میں ایسی تبدیلی کی سازش رچی جارہی ہے کہ ہندوستان برہمنی نظام کی گرفت میں چلا جائے اور دلت و اقلیتیں اپنے دستوری حقوق سے محروم ہوجائیں۔

بورڈ نے اس سلسلہ میں ''دین اور دستور بچاؤ تحریک'' کا آغاز کیا ہے اور حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی کی کنوینر شپ میں اس کیلئے ایک مجلس عمل بنائی ہے؛ چنانچہ ملک کے مختلف حصوں میں اس تحریک کے تحت بڑے بڑے جلسے ہوئے، اس تحریک کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں دلتوں، دیگر اقلیتوں اور سیکولر مزاج ہندوؤں کو بھی شامل رکھا گیا ہے، اس سے جہاں مسلمانوں میں شعور بیداری پیدا کی جارہی ہے، وہیں مسلم غیر مسلم تعلقات میں بھی ہم آہنگی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے اور حکومت تک یہ پیغام پہنچ رہا ہے کہ اس کے فرقہ پرستانہ ایجنڈے سے صرف مسلمان ہی ناراض نہیں ہیں، دوسرے ابنائے وطن بھی ناخوش ہیں۔

مستقبل

بورڈ کے سامنے اس وقت بہت سے مسائل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) عدالتوں سے خلاف شریعت ہونے والے فیصلوں کو پارلیمنٹ کی قانون سازی کے ذریعہ بے اثر کرنا۔

(۲) عوامی جدوجہد کے ذریعہ مسلمانوں کے مذہبی تشخص کو متاثر کرنے والے مجوزہ قوانین کو روکنا۔

(۳) قانون شریعت کے خلاف عدالتوں میں جو مقدمات دائر ہیں، مؤثر طریقہ پر ان کی پیروی کرنا۔

(۴) مسلمانوں میں ایسا مزاج پیدا کرنا کہ وہ قانون شریعت کو رضاکارانہ طور پر اپنے آپ پر نافذ کریں، اس کیلئے اصلاح معاشرہ کی تحریک اور نظام دار القضاء کو وسعت دینا۔

(۵) مسلم اور غیر مسلم قانون دانوں اور دانشوروں کو قانون شریعت کی نافعیت سے آگاہ کرنا، اور اس کیلئے تفہیم شریعت کے شعبہ کو زیادہ فعال بنانا۔

بورڈ کے پاس ان کاموں کو انجام دینے کیلئے دو ہی طاقتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد جس کا اس نے اپنے دین متین کے محافظین کیلئے وعدہ فرمایا ہے ــــــ دوسرے: مسلمانانِ ہند کی طرف سے بورڈ کی تائید و تقویت اور ان کا اتحاد و اتفاق، یہی چیز اللہ کی مدد کو بھی متوجہ کرے گی۔

اللہ تعالیٰ تحفظ شریعت کے اس کارواں کو اپنی منزل کی طرف رواں دواں رکھے اور ہر طرح کے شر و فتنہ سے ملت اسلامیہ کے اس عظیم اثاثہ کی حفاظت فرمائے۔

۞۞۞

یتیم پوتے کی وراثت سے محرومی کے متبادل طریقے

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی)

اسلام کے نظامِ وراثت پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک اہم اعتراض یہ ہے کہ اس میں یتیم پوتے کو محروم رکھا گیا ہے۔ یہ اعتراض کرتے ہوئے یتیم پوتے کی غربت و مسکنت اور بے چارگی و لاچاری کو اتنا نمایاں کیا جاتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسے مالِ وراثت میں سے حصہ نہ دیا گیا تو وہ بھوکوں مر جائے گا اور اس کے لیے زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس کے بعد اسلامی شریعت پر نشانہ سادھا جاتا ہے اور یہ بانگ دہل کہا جاتا ہے کہ شرعی قانون ظالمانہ ہے، اس میں بعض مستحقین کی حق تلفی کی گئی ہے، اس لیے وہ موجودہ زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اعتراضات کی شدت سے گھبرا کر ماضی قریب کے بعض مسلم محققین، دانش وروں اور علماء نے اسلامی نظامِ وراثت میں یتیم پوتے کی محرومی سے انکار کیا ہے۔ یہ نقطۂ نظر رکھنے والے بعض افراد اب بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ یتیم پوتے کو اپنے مرحوم باپ کا قائم مقام سمجھا جائے گا اور جو حصہ کسی شخص کے مرنے پر اس کے بیٹے کو ملتا، وہ اس کی زندگی میں بیٹے کے وفات پا جانے کی صورت میں پوتے کو ملے گا۔

یہ دونوں حضرات درحقیقت اسلامی قانونِ وراثت کے ضابطوں، حکمتوں اور باریکیوں سے واقف نہیں ہیں۔ اسی طرح یتیم پوتے سے ان کی ہمدردیاں محض دکھاوا اور فریب ہیں۔ جن طریقوں سے یتیم پوتے کی وقتِ ضرورت مدد کی جا سکتی ہے، ان پر توجہ دینے کے بجائے یہ حضرات دوسرے غلط طریقوں سے اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

اسلامی قانونِ وراثت کی بنیاد

اسلامی قانونِ وراثت کی بنیاد فقر و احتیاج پر نہیں ہے، کہ میت کے پس ماندگان میں جو جتنا ضرورت مند ہو، وراثت میں اس کا اتنا حصہ لگا دیا جائے، بلکہ اس کی بنیاد قرابت، بلکہ قریب ترین قرابت ہے۔ رشتے دار بہت سے ہوتے ہیں، لیکن شریعت میں صرف قریب ترین رشتہ داروں کو مستحقِ وراثت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ (النساء:۷)

''مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتے داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتے داروں نے چھوڑا ہو۔''

اس آیت میں 'الْأَقْرَبُونَ' (قریب ترین رشتے دار) کا لفظ دو بار آیا ہے۔ گویا اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ مرد اور عورتیں اپنے والدین اور قریب ترین رشتے داروں سے مالِ وراثت میں حصہ پائیں گے۔ یہی بات حدیث میں بھی کہی گئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

الحقوا الفرائض بأهلها فما بقى فهو لأولى رجل ذكر (بخاری:۶۷۳۲، مسلم: ۲۶۱۵)

''ذوی الفروض کو ان کے حصے دو، پھر جو باقی بچے وہ میت کے قریب ترین مرد رشتے دار کا ہوگا۔''

'ذوی الفروض' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے حصے قرآن مجید میں صراحت سے بیان کر دیے گئے ہیں۔ ان کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا، وہ میت کے قریب ترین رشتے داروں، یعنی 'عصبہ' کا ہوگا۔ اس حدیث نے واضح کر دیا ہے کہ عصبہ مرد حضرات ہی ہو سکتے ہیں۔ کوئی عورت بذات خود عصبہ نہیں ہو سکتی، بلکہ کسی مرد کے ساتھ شامل ہو کر ہی اسے یہ حیثیت عصبہ وراثت ملتی ہے۔

شریعت نے عصبہ میں بھی ترتیب قائم کی ہے۔ قریب ترین رشتہ دار ہو تو دور کے رشتے دار محروم ہوں گے۔ احادیث میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت سعد بن الربیعؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو انہوں نے

اپنے پیچھے اپنی بیوہ، دو بچیاں اور بھائی کو چھوڑا۔ ان کی بیوہ اپنی بچیوں کو لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکایت کی کہ سعدؓ کے بھائی نے پورے مال پر قبضہ کرلیا ہے اور ان بچیوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دونوں بیٹیوں کو دو تہائی مال اور بیوہ کو آٹھواں حصہ ملے گا اور جو کچھ باقی بچے وہ بھائی کا ہوگا۔ (ابوداؤد: ۲۸۹۲، ترمذی: ۲۰۹۲، ابن ماجہ: ۲۷۲۰)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بھائی بہن سگے بھی ہوں اور سوتیلے بھی، تو سگے بھائی بہن وارث ہوں گے، ان کی موجود گی میں سوتیلے بھائی بہن وارث نہ ہوں گے''۔ (ترمذی: ۲۰۹۴، ابن ماجہ: ۲۷۳۹)

یتیم پوتے کی محرومی کی وجہ

اس تفصیل سے بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلامی شریعت میں یتیم پوتے کی وراثت سے محرومی کی اصل وجہ کیا ہے؟ مثال کے طور پر کسی شخص کے پانچ بیٹے ہیں۔ سب کی شادی ہوچکی ہے اور وہ صاحب اولاد ہیں۔ ان میں سے ایک بیٹے کا انتقال باپ کی موجودگی میں ہوجاتا ہے، بعد میں باپ کا انتقال ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے پس ماندگان میں چار بیٹے اور دوسرے رشتے دار ہیں، جن میں مرحوم بیٹے کی اولاد یعنی پوتے بھی ہیں۔ اب مال وراثت کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اگر کچھ ذوی الفروض ہیں تو ان کا حصہ نکالنے کے بعد بقیہ مال چاروں بیٹوں میں بہ حیثیت عصبہ تقسیم ہوگا۔ چوں کہ بیٹے میت کے قریب ترین رشتے دار (عصبہ) ہیں، اس لیے وہ مستحق ہوں گے، ان کی موجودگی میں دور کے رشتے داروں کو کچھ نہ ملے گا، جن میں پوتے بھی شامل ہیں۔

وراثت کا مسئلہ اصلاً کسی شخص کی زندگی میں نہیں، بلکہ اس کے مرنے کے بعد اٹھتا ہے۔ جب اس کی زندگی میں اس کے ایک بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے اور اس شخص کی موت کے وقت وہ موجود ہی نہیں ہے تو اس کا کیوں کر حصہ لگایا جائے گا؟ اور جب اس کا کوئی حصہ نہیں تو اس کے بیٹے کیوں کر مستحق ہوں گے؟

یتیم پوتے کی وراثت سے محرومی کے متبادل طریقے

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یتیم پوتے کو اسلامی شریعت نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے اور اس کی کفالت کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ شریعت نے کفالت کا جو نظام بنایا ہے، اس پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے تو سماج کا کوئی فرد بے یار و مددگار نہیں رہے گا۔

یتیم پوتے کی کفالت درج ذیل طریقوں سے ممکن ہے:

(۱) سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۳۳ میں ایک حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر زوجین میں اختلاف اور منافرت کے بعد علیٰحدگی ہوگئی ہو اور ان کا شیر خوار بچہ ہو تو ماں کو چاہیے کہ وہ اس کو دودھ پلائے اور باپ پر لازم ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلوانے کے اخراجات برداشت کرے۔ اس آیت کا ایک ٹکڑا ہے: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ''ویسا ہی وارث پر بھی ہے۔'' یعنی اگر بچے کا باپ نہیں ہے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری اس شخص پر ہے جو اس بچے کی وفات کی صورت میں اس کی وراثت پانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ یتیم پوتے کی کفالت کی ذمہ داری اس کے قریبی رشتہ داروں پر ہے۔ بالفاظ دیگر یتیم پوتے کے جو چچا اپنے باپ کے وارث ہوں گے، وہی اپنے یتیم بھتیجے کی کفالت کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔

(۲) اسلامی شریعت میں وصیت کا قانون موجود ہے، جس کے ذریعہ ان رشتہ داروں کی مدد کی جاسکتی ہے جو وراثت میں سے حصہ نہ پاتے ہوں۔

آیاتِ وراثت نازل ہونے سے پہلے وصیت کا حکم دیا گیا تھا:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ (البقرۃ: ۱۸۰)

''تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو، تو والدین اور رشتے داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے۔''

آیاتِ وراثت نازل ہوئیں، جن میں میت کے والدین اور قریبی رشتے داروں کے حصے متعین کردیے گئے تو ان کے سلسلے میں وصیت کا حکم منسوخ ہوگیا، لیکن وراثت نہ پانے والے رشتے داروں اور دیگر امورِ خیر کے لیے یہ حکم باقی رہا۔ چنانچہ آیاتِ وراثت میں بار بار کہا گیا ہے کہ وراثت کی تقسیم وصیت کو نافذ کرنے کے بعد کی جائے گی:

مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء: ۱۱)

''جب کہ وصیت جو انھوں نے کی ہو، پوری کردی جائے اور قرض، جو انھوں نے چھوڑا ہو، ادا کردیا جائے۔''

مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء:١٢)

''جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو، پوری کر دی جائے اور قرض، جواس پر ہو،ادا کر دیا جائے۔''

مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء:١٢)

''بعداس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو، پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو، وہ ادا کر دیا جائے۔''

مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء:١٢)

''جب کہ وصیت جو کی گئی ہو، پوری کر دی جائے اور قرض، جو میت نے چھوڑا ہو، ادا کر دیا جائے۔''

اللہ کے رسول ﷺ سے صراحتاً مروی ہے کہ وارثین کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ (ترمذی:۲۱۲۱، ابن ماجہ:۲۷۱۲) اسی طرح ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت بھی جائز نہیں ہے۔ (بخاری:۲۷۴۳، مسلم:۱۶۲۹) اس بنا پر فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر وارث رشتے داروں کے حق میں تہائی مال کی وصیت کرنا بعض حالات میں جائز، بعض حالات میں مستحب اور بعض حالات میں واجب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یتیم پوتے کے حق میں وصیت کر کے بھی اس کی ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں۔ دادا کو چاہیے کہ اگر اس کے کسی بیٹے کا انتقال اس کی زندگی میں ہو جائے تو وہ اپنے پوتوں اور پوتیوں کے حق میں حسبِ ضرورت اپنے ایک تہائی مال تک کی وصیت کر دے، تا کہ اس کے مرنے کے بعد وہ وراثت سے محرومی کی وجہ سے بے سہارا نہ ہو جائیں۔

(۳) قرآن مجید میں وارثوں کے لیے ایک حکم یہ موجود ہے کہ جب مالِ وراثت تقسیم ہونے لگے تو اس میں سے ان رشتے داروں کو بھی کچھ دیں جنھیں شرعی طور پر حصہ نہ مل رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُوْلُواْ الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَٰمَىٰ وَالْمَسَٰكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفاً (النساء:٨)

''اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو اس مال میں سے ان کو بھی دو اور ان کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو۔''

مفسرین نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک آیاتِ میراث نازل ہونے کی بعد اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا، لیکن حضرت ابن عباسؓ اور متعدد تابعین وفقہاء اس کے عدمِ نسخ کے قائل ہیں۔ (ملاحظہ کیجیے، تفسیر ابن کثیر اور دیگر تفسیریں)

اس آیت سے رہ نمائی ملتی ہے کہ وارثین کو ان رشتے داروں کا خیال رکھنا چاہیے اور حسبِ ضرورت ان کی مالی مدد کرنی چاہیے، جو وراثت میں حصہ نہیں پاتے۔

(۴) قرآن مجید میں صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی سے روکا گیا ہے۔ اس موضوع پر کثرت سے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتے وقرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔'' (النساء:۱) ان لوگوں کو دانش مند کہا گیا ہے جو دیگر اوصاف کے ساتھ ان رشتوں کی پاس داری کرتے ہیں، جنھیں برقرار رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (النساء:۲۱) اور ان لوگوں پر لعنت بھیجی گئی ہے اور آخرت میں برے ٹھکانے کی خبر دی گئی ہے، جو ان رشتوں کو کاٹتے ہیں، جنھیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ (النساء:۲۵)

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لا يدخل الجنة قاطع (بخاری:۵۹۸۴، مسلم:۲۵۵۶)

'رشتوں کو کاٹنے والا جنت میں نہیں جائے گا'۔

آخر میں ایک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ معترضین اس موضوع کو اس انداز سے اٹھاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، دادا ہر حال میں مال دار اور پوتا ہر حال میں غریب، نادار اور بے کس و بے سہارا ہوتا ہے، حالاں کہ یہ دونوں باتیں مفروضے پر مبنی ہیں۔ بہت سے مواقع پر دادا خود غریب اور اپنے بیٹوں کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے اور بہت سے مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں جب پوتے کو کسی طرح کے مالی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے کہ اسے اپنے باپ سے اچھی خاصی جائداد اور مال ملتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کا نظامِ وراثت بڑی حکمتوں پر مبنی ہے۔ اس کے اصولوں کے مطابق اگر یتیم پوتے کو اس میں حصہ نہیں دیا گیا ہے تو وقت ضرورت اس کی حاجت روائی اور کفالت کے دیگر پختہ انتظامات کر دیے گئے ہیں۔

۞۞۞

مسلم معاشرہ کے مختلف مسائل اور ان کا حل

مولانا عبدالباسط ندوی (المعہد العالی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ)

اس وقت پوری دنیا میں مسلمان جس پستی، کم ہمتی، ذلت ونکبت اور زوال وشکست سے دو چار ہورہے ہیں، شاید ہی کوئی ایسی قوم ہو، مسلمانوں کے اس تنزل وادبار کی کیا وجہ ہوسکتی ہے اور اس کے کیا اسباب ہیں، مختلف اصحاب فکر ونظر نے اپنے اپنے انداز فکر اور نظریئے سے جائزہ لیا ہے، اور اس کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے، بعض حضرات نے اس کی بڑی وجہ ناخواندگی اور تعلیم کی کمی کو قرار دیا ہے، تو بعض نے معاشی بدحالی کو، بعض نے حکومت کے اندر حصہ داری کے فقدان کو تو بعض نے سرکاری عہدوں ومناصب کی حصولیابی میں ناکامی کو، وغیرہ وغیرہ، یہ سارے مسائل اپنی جگہ درست ہوسکتے ہیں اور ان کے حل کے لیے جو کوششیں کی جارہی ہیں، وہ بھی اپنی جگہ بارآور ہوسکتی ہیں، ہمیں اس سے انکار نہیں، بلکہ اسباب ووسائل کے درجہ میں ہم ان سب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری نظر اس پر ہونی چاہیے کہ اللہ تعالی نے جس قوم کو پورے عالم کے لیے مقتدا و پیشوا بنا کر بھیجا ہو اور جس کے ذمہ پورے عالم کی نگہبانی کی گئی ہو، وہ آخر اس طرح اور اس قدر پیچھے کیسے ہوگئی، ہمیں اس کا جائزہ قرآن وسنت ہی کی روشنی میں لینا چاہیے اور اس اہم ترین معاملہ میں اسی کی طرف رجوع ہونا چاہیے تاکہ ہمیں اصل مرض کا پتہ چل سکے اور پھر اس کے مطابق علاج ہو تو کامیابی مل سکتی ہے ورنہ مرض کچھ اور علاج کچھ کے درمیان ہم زندگی بھر بھٹکتے رہیں گے اور کبھی بھی ہمیں سوئے حرم کا راستہ نہیں مل سکے گا۔

آخر کونسی ایسی صلاحیت اور ہنر تھا جس نے اس قوم کے پیش رو اسلاف اور صحابہ کرام کو ایسی حکومت وسلطنت کا مالک بنا دیا، جس کا شمار دنیا کی عظیم ترین حکومتوں میں تھا، جو ایسی مادی وسیاسی قوت کے حامل تھے جو تمام معاصر قوتوں پر حاوی و فائق تھی، جن کا نظام حکومت اور جن کی اعلی اخلاقی تعلیمات اعلی نمونہ ومعیار کا کام دیتے تھے، جن کے دور حکومت میں فتوحات کی کثرت، اقتدار کی وسعت اور تمدن ومعاشرت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقی وروحانی ترقی کا ایسا دور دورہ تھا کہ عیش وعشرت کے سامان کی فراوانی کے باوجود جرائم وبداخلاقیوں کا دور دور تک گزر نہیں تھا، وہ آپس میں ایک دوسرے کے بہی خواہ ودست وبازو بنے ہوئے تھے، دشمنوں کو نظر اٹھا کر دیکھنے تک کی جرأت نہیں ہوپاتی تھی، بلکہ غیروں نے ان کے عدل و انصاف، امانت داری، امن پسندی اور سلامت روی کا اعتراف کیا ہے اور اس کی مثالیں دی ہیں۔

جبکہ آج ہم زیادہ تعداد میں ہونے اور وسائل واسباب کی بظاہر فراوانی کے باوجود نہ تو اپنی زندگی ہی کو امن وسکون کا گہوارہ بنا سکے اور نہ ہی دوسروں کی زندگی کے لیے کوئی نمونہ بن سکے، جس کی وجہ سے صرف اپنے ہی خسارہ کا شکار نہیں ہورہے ہیں بلکہ پوری دنیا، بے چینی واضطراب اور بدامنی ولاقانونیت کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے اور پوری دنیا کی قوتوں کا نزلہ مسلمانوں پر اتر رہا ہے، ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا، کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا کی ساری قومیں تمہارے خلاف ہوکر تم پر ٹوٹ پڑیں گی، ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہماری تعداد اس وقت کم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! تمہاری تعداد بہت ہوگی، مگر تم پانی کے جھاگ کی طرح ہوگے (یعنی تمہاری افادیت ختم ہوچکی ہوگی، جس طرح پانی کا جھاگ نہ تو پیاس بجھا سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور کام میں آسکتا ہے، ویسے ہی مسلمانوں کی حالت ہوگی کہ وہ اپنی اصلیت کھوکر غیر مفید ہوچکے ہوں گے۔) نیز فرمایا: تمہارا رعب تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکل چکا ہوگا اور

خود تمہارے دلوں میں ''وھن'' پیدا ہو جائے گا، ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ ''وھن'' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت'' عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ يوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها فقال قائل : و من قلة نحن يومئذ ، قال : بل أنتم يومئذ كثير و لكنكم غثاء كغثاء السيل و لينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم و ليقذفن الله في قلوبكم الوهن ، فقال قائل : يا رسول الله و ما الوهن ، قال : حب الدنيا و كراهية الموت (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:۴۲۹۹)

اس حدیث کی روشنی میں ہم اپنے سماج و معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی محبت میں ہم گرفتار ہو کر کس حد تک معاشرتی و سماجی مسائلوں میں الجھ چکے ہیں اور نت نئی برائیوں کے شکار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ہمارے درمیان یہ آواز لگائی گئی کہ آج مسلمان تعلیم میں بچھڑنے کی وجہ سے تنزل و ادبار کے شکار ہیں تو ہم نے فوراً اپنے کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے اپنے بیٹوں، بیٹیوں کو ایسے اسکولوں اور کالجوں کے حوالہ کر دیا کہ ایک طرف مخلوط تعلیمی نظام نے تو دوسری طرف تعلیم کے نام پر تعلیم سے زیادہ ان کی تہذیب و ثقافت نے ہماری نسل کو کہیں کا نہیں چھوڑا اور افسوس کہ ہم تعلیم اور تہذیب و تمدن کے درمیان فرق نہیں کر سکے؛ بلکہ ہم نے اس کو اپنی کامیابی و فلاح کا ذریعہ قرار دے کر اپنی عزت و آبرو تک کی پرواہ نہیں کی علامہ اقبال نے کہا تھا:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مد نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

یہ پردہ اٹھ چکا اور معاشرہ کی حالت نے صاف بتلا دیا کہ اس تعلیم نے ترقی کے نام پر ہماری ماؤں اور بہنوں کو سڑکوں پر لا کر کھڑا کر دیا، اور علامہ اقبال نے جس خدشہ کا اظہار اس وقت کیا تھا، آج وہ حقیقت بن کر اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ دندناتا پھر رہا ہے اور اسے عام لوگوں کی حمایت بھی مل رہی ہے، علامہ اقبال نے کہا تھا:

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوشمند!
غیرت نہ تجھ میں ہوگی، نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور، کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

چنانچہ ترقی کے نام پر بے حجابی نے آگے بڑھ کر عریانیت کی شکل اختیار کر لی اور پھر شیطان کو کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا، جس نے ہمارے معاشرہ کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا، تو دوسری طرف اس تعلیم کے اثر نے اپنا کام کیا اور اس کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا اور ہو رہا ہے کہ

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

غرض اس تعلیم نے ہماری نسل کو الحاد و دہریت کے دہانے پر ہی نہیں پہنچایا بلکہ اس کے بیچ ہال میں داخل کر دیا، جہاں سے بظاہر باہر نکلنا بہت ہی مشکل نظر آ رہا ہے، اس تعلیم نے ان کی فکر و سوچ کو ہی بدل دیا، اور جب انسان کی فکر بدل جائے تو اس کے عمل کا رخ خود بخود بدل جاتا ہے، اس لیے کہ عمل فکر کے تابع ہے، اللہ تعالی نے اس دنیا کو ہمارے لیے ایک امتحان اور آزمائش گاہ کے طور پر بنایا تھا، فرمایا: ''إنا جعلنا ما على الأرض زينة لها لنبلوهم أيهم أحسن عملا ''(الکھف:۷) ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو اس کی رونق بنایا ہے تاکہ لوگوں کو جانچیں کہ کون ان میں زیادہ اچھا کام کرتا ہے؟ مگر آج ہم نے اس کو اپنا مقصد بنا لیا اور اس کی محبت میں اپنی حیثیت و مقام کو بھی بھول گئے اور جاہلیت کا یہ نعرہ ہمارے عمل و کردار

سے بلند ہونے لگا کہ ''و ما هي إلا حياتنا الدنيا نموت و نحيي'' ہماری بس یہی دنیوی زندگی ہے، مرتے جیتے رہیں گے۔

ہماری اسی فکر وسوچ نے معاشرہ کو طرح طرح کے مسائل اور قسم قسم کی برائیوں سے دوچار کر رکھا ہے، جھوٹ، دھوکہ دہی، چوری، سود، رشوت، خیانت، بدعہدی، ظلم، شراب نوشی، جوا، جھوٹی گواہی، زنا، ریا ونمود، بے جا تعریف کی خواہش، تکبر وغرور، حب جاہ ومنصب، جادوٹونا، والدین کے ساتھ بدسلوکی، بیوی و بچوں کی حق تلفی، عورتوں کا مردوں اور مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا، احکام الٰہی سے روگردانی، غرض بے شمار برائیاں اور خرابیاں ہمارے معاشرہ وسماج میں درآئی ہیں، بلکہ آج کونسی ایسی برائی ہے جو مسلم معاشرہ میں نہ پائی جاتی ہو اور یہ سب دنیا کی محبت کا ہی نتیجہ ہے، جبکہ دوسری طرف آخرت فراموشی اور اللہ تعالی کے روبرو جواب دہی کے عدم احساس نے موت سے نفرت پیدا کردی ہے؛ بلکہ بعض مرتبہ آخرت کا تصور ہی نہیں ہوتا ہے، ہمارے ذہن ودماغ پر صرف دنیا اور دنیا کی نعمتیں اور اس کے عیش وآرام اس طرح حاوی ہوجاتے ہیں کہ ہم اگر اس میں ناکام ثابت ہوئے تو فوراً خودکشی جیسے اقدام کرنے سے بھی باز نہیں آتے اور یہ تصور کام کرنے لگتا ہے کہ دنیا کے جھمیلوں سے نجات پانے کا یہ ایک واحد راستہ ہے، یہ قطعاً ذہن میں نہیں آتا کہ خودکشی کے ذریعہ ہم جن جھمیلوں سے آرام اور چھٹکارا چاہ رہے ہیں، وہ اور زیادہ پیچیدہ اور جہنم تک پہنچانے والا ہے۔ چنانچہ آج ہم مسلمان دینی ودنیوی دونوں اعتبار سے خسارہ کا شکار ہوتے جارہے ہیں، ''خسر الدنيا و الآخرة ذلك هو الخسران المبين'' (الحج:۱۱) ''دنیا وآخرت (دونوں) کو کھو بیٹھا، یہی تو ہے انتہائی محرومی۔''

غرض ان تمام مسائل سے نمٹنے اور ان تمام برائیوں کو ختم کرنے کا ایک ہی اسلامی حل اور ذریعہ ہے اور وہ ہے پوری امت کا بحیثیت امت مسلمہ اپنے دین سے مضبوط رشتہ استوار کرنا اور اپنے دین پر ٹھوس وغیر متزلزل یقین رکھنا، اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر اور نازل کی ہوئی شریعت پر عمل کر کے دنیا کے سامنے نمونہ پیش کرنا، ارشاد باری ہے ''ثم جعلناك على شريعة من الأمر فاتبعها و لا تتبع أهواء الذين لايعلمون إنهم لن يغنوا عنك من الله شيئا، و إن الظالمين بعضهم أولياء بعض و الله ولي المتقين'' (الجاثیۃ: ۱۸،۱۹) پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا، سو آپ اسی پر چلے جایئے اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے، یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کے ذرا بھی کام نہیں آسکتے، ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا دوست تو اللہ ہے۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی جائے، ان میں ماضی پر اعتماد، مستقبل کے بارہ میں امید اور حوصلہ پیدا ہو، اس دین پر ان کا ایمان و یقین تازہ اور زندہ ہوجائے، جس کا نام تو وہ لیتے ہیں؛ لیکن اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں، ان کا تعلق اس دین سے زیادہ تر نسلی اور موروثی ہے اور انہوں نے اس کو بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ (مقدمہ: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر:۲۳)

اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کو نظر انداز کر کے ہم ہزار کوشش کرلیں، حکومت ہمارے لیے ہر ممکنہ تعاون کی پیشکش کردے، ہم ایک مسلمان کی حیثیت سے کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتے ہیں، ہاں، ہم غیروں کے آلۂ کار ضرور بن سکتے ہیں۔ آج دین سے دوری ہماری مجبوری نہیں ہے بلکہ فیشن کے طور پر ہے، ظاہری زرق وبرق سے متاثر ہوکر دنیوی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے اغیار کے کہنے پر ہم نے دین بیزاری اختیار کرلی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو دنیوی زیب وزینت سے اعراض کر کے اللہ کی رضا چاہنے والوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة و العشي يريدون وجهه و لا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحياة الدنيا و لا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا و اتبع هواه و كان أمره فرطا'' (الکھف:۲۸) اور آپ اپنے آپ کو مقید رکھا کیجیے ان لوگوں کے ساتھ، جو اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں۔ صبح وشام محض اس کی رضا جوئی کے لیے، اور آپ کی دونوں آنکھیں ان سے نہ ہٹنے پائیں دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے اور اس شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد

سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں ’’آیت آج کل کے بہت سے ’’مصلحین‘‘ کے لیے قابل غور ہے، آج ہر ’’اصلاح‘‘ پر زور (خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے، اس سے مسلمانوں کی مالی ومعاشی حیثیت چمک جائے گی، یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کرلیں گے‘‘ و قس علی ھذا۔ غرض مقصود ومطلوب ہر ’’اصلاح‘‘ سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے یہی دنیا اور اس کی سربلندیاں ہی رکھی جاتی ہیں۔تعلیم قرآنی اس ذوق فاسد سے کس درجہ اِبا کرتی ہے، یہاں تو حکم یہ مل رہا ہے کہ جن لوگوں کے پیش نظر یہی دنیوی زندگی اور اس کی چمک دمک ہے اور جن کے قلب ودماغ یاد الٰہی اور ذکر آخرت سے خالی ہیں اور اپنی ہی خواہش نفس، اپنی ہی اسکیمیں اور منصوبہ بندیاں ان کے پیش نظر رہتی ہیں۔ غرض یہ کہ جن کے دل ودماغ کے کاروبار کا سارا دھندہ اسی مادی زندگی کے فروغ کے بل پر رہتا ہے اور جن کا محور فکر، محور عمل یہی دنیوی زندگی ہے۔ ایسوں کی طرف کسی مسلمان کو رخ ہی نہ کرنا چاہیے، قرآن مجید پڑھنے والے اور اس پر ایمان رکھنے والے سارے لوگ سوچ لیں کہ یہ اشارے آج دنیا کی کن قوموں کی جانب ہیں؟ خواہ وہ یورپ کی ہوں یا امریکہ کی، افریقہ کی ہوں یا ایشیا کی، کون اس ’’ترقی پسندی‘‘ کی شکار ہونے سے بچی ہوئی ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

چنانچہ موجودہ حالات میں اپنے دین پر پوری استقامت اور غیر متزلزل ایمان ویقین کے ساتھ تعلیمی مراکز پر توجہ دینا اولین ضرورت ہے اور معاشرہ کے بہت سے مسائل کا حل ہے کہ یہیں ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں اور پھر وہ عملی صورت اختیار کرکے معاشرہ میں صلاح وفساد کا ذریعہ بنتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو خصوصاً ان مسلمانوں کو جنہیں اپنی شریعت ودین کے حق ہونے پر شرح صدر ہے اور اللہ کی وحدانیت اور اس کے تنہا، صرف تنہا نافع و ضار ہونے کا پورا پورا یقین ہے، انہیں اس میدان میں آگے بڑھ کر اپنا ادارہ قائم کرنا چاہیے کہ آج کے موجودہ مسلم ادارے بھی مغربی لعنت سے محفوظ نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی فخریہ انہیں چیزوں کو پیش کرتے ہیں اور انہیں سانچوں میں قلب ونظر اور دل ودماغ کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں جن سانچوں کو مغرب سے درآمد کیا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ جس تعلیم کو ہماری ترقی کا ذریعہ قرار دیا جارہا ہے وہی ہماری پستی وذلت کا سامان مہیا کررہی ہے اور یہ ایک فتنہ کی شکل میں عام ہوتا جارہا ہے اور جس کا دائرہ صرف تعلیم تک ہی محدود نہیں رہتا ہے بلکہ پوری گھریلو زندگی، رہن سہن، لباس وپوشاک، وضع قطع، گفتار وکردار، غرض پورے معاشرہ وسماج کو لپیٹ کر مغربی تہذیب کے دلدل میں ڈھنستا چلا جارہا ہے، اور تنزل وانحطاط کی ایسی زبردست کھائی میں اپنے آپ کو گراتا جارہا ہے کہ جہاں سے نکلنے کا بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا، اس لیے آج کے دور اور خصوصاً ہندوستان کے موجودہ ماحول میں یہ ہماری بنیادی اور اہم ضرورت ہی نہیں بلکہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہمارے تمام معاشرتی مسائل کے حل کا ذریعہ ہے کہ ہم اس طرح کے ادارے قائم کریں، انہیں اداروں کے ذریعہ ہم اپنی ماؤں اور بہنوں کو عفت وعصمت کی تعلیم دے کر ان کے اخلاق وکردار کو دینی رنگ میں رنگ سکتے ہیں، جس کی وجہ سے عریانیت وفحاشی کے اڈے ہی نہیں بلکہ برائیوں کے بہت سے دروازے بھی بند ہوجائیں گے۔ اسی تعلیم وتربیت کے ذریعہ ہمیں مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئے رسم ورواج —— چاہے ان کا تعلق شادی بیاہ کے جہیز سے ہو، اس کے طور طریقے سے ہو، طلاق وخلع سے ہو، وراثت ووصیت سے ہو، وقف وہبہ سے ہو، خاندانی نظام زندگی سے ہو یا انفرادی واجتماعی نظام زندگی سے —— سب پر قابو پاسکتے ہیں اور ان سب کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرکے اسلامی دعوت کا ایک اہم فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔

سید قطب شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اسلام کی تعلیم سروری وجہانبانی کی تعلیم ہے، اس کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ دین اپنے ماننے والوں میں بغیر کسی شائبہ تکبر کے خودداری، بغیر کسی فریب نفس کے اعتماد و یقین اور بغیر کسی دوسرے پر اعتماد اور ضعف کے یقین وتوکل کی روح پھونکتا ہے، یہ عقیدہ انہیں متنبہ کرتا ہے کہ ان کے کاندھوں پر پوری انسانیت کی ذمہ داری ہے، روئے زمین پر بسنے والی انسانی جماعت کی تولیت ان کے سپرد ہے، اوران کا فرض منصبی ہے کہ (بقیہ صفحہ ۵۰ پر)

ازدواجی نزاعات میں مصالحت: اصول اور طریق کار

مفتی ریاض احمد قاسمی (استاذ حدیث جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر)

ازدواجی زندگی میں زوجین کی حیثیت دو فریق کی نہیں، بلکہ ایک جسم کے دو اعضاء کی ہے، جس طرح دونوں ہاتھ مل کر کام کریں، تو کامیاں قدم چومتی ہے، دونوں پاؤں مل کر چلیں تو منزل تک رسائی ہوجاتی ہے، اسی طرح زوجین مل کر خوشگوار زندگی گذاریں، تو ازدواجی زندگی کا حقیقی لطف میسر ہوتا ہے اور دنیا ہی میں جنت کا مزہ ملنے لگتا ہے، اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جابجا زوجین کے باہمی تعلق کی اس نوعیت کو اہتمام کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے: وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (سورۃ النساء:۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آدم سے ان کی زوجہ کو پیدا کیا، دوسری جگہ فرمایا: بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (سورۃ النساء:۳۴) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے بعض کو بعض پر فوقیت بخشی ہے، یعنی اولاد آدم میں مرد وعورت ایک دوسرے کے لئے تکمیلی جزء ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ایک دوسرے پر بعض صفات میں فوقیت عطاء فرمائی ہے —— خالق و مالک نے زوجین کے تعلق کی جو نوعیت بتائی ہے، اگر اسے ملحوظ رکھا جائے، تو جس طرح ہاتھ پاؤں ہر وقت ایک دوسرے کی رفاقت اور تعاون کے لیے تیار رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی حاجت وضرورت، تکلیف وراحت اور بے چینی ومجبوری محسوس کرتے ہیں، اسی طرح زوجین بھی ہر وقت ایک دوسرے کی رفاقت اور تعاون کے لیے خود کو تیار پائیں گے اور ایک دوسرے کی حاجت وضرورت تکلیف وراحت اور بے چینی ومجبوری اچھی طرح محسوس کریں گے، لہٰذا نہ ایک دوسرے سے کوئی شکایت ہوگی نہ کہیں باہم کوئی تصادم ہوگا۔

لیکن ایک ساتھ رہنے کے کچھ ناگوار تقاضے بھی ہوتے ہیں، انسان جس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کی بدخواہی میں شیطان جس طرح لگا رہتا ہے، اس کی رو سے بسا اوقات زوجین ان ناگوار تقاضوں کی زد میں آجاتے ہیں اور اُن کے درمیان ناموافق حالات پیدا ہوجاتے ہیں، ایسی صورت میں نزاع اور باہمی کشمکش کو بڑھانے کے بجائے اسلام نے موافقت اور مصالحت کی راہ اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ذیل میں قرآن و حدیث کی انہی تعلیمات کا ایک مختصر خلاصہ پیش کیا جارہا ہے، جو زوجین کے باہمی نزاعات میں موافقت اور مصالحت کے اصول اور طریقِ کار کی رہنمائی کرتی ہیں۔

اسبابِ نزاع:

باہمی نزاعات میں موافقت اور مصالحت کی کوشش اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے، جب اسباب نزاع واضح طور پر معلوم ہوں، پھر اُن اسباب کو سامنے رکھ کر مصالحت کی معقول تجویز پیش کی جائے، اس لیے اصل گفتگو شروع کرنے سے پہلے اسباب نزاع کی تحقیق ضروری ہے—— قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ زوجین کے درمیان نزاع کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں، مثلاً: (۱) زوجین ایک دوسرے کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں، اس لیے وہ ایک دوسرے کو ناپسند ہوں اور آپسی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ (۲) شوہر کی جانب سے حقوق زوجیت کی ادائیگی کے باوجود، بیوی اس کی حق تلفی کرتی ہو اور اُس کے تئیں نافرمانی اور سرکشی کا رویہ اپناتی ہو۔ (۳) بیوی کی جانب سے حقوق زوجیت کی ادائیگی کے باوجود، شوہر اُس کے تئیں بدخوئی یا بے رخی کا رویہ اپناتا ہو۔ (۴) زوجین کے درمیان ایسی کشیدگی اور دوری پیدا ہوگئی ہو کہ وہ از خود ایک دوسرے سے افہام وتفہیم کی پوزیشن میں نہ ہوں۔

نزاع کی ان مختلف صورتوں میں قرآن مجید نے موافقت اور مصالحت کے جامع اصول اور آسان طریق کار کی رہنمائی کی ہے، جس کی تفصیل قرآن وحدیث کی روشنی میں آئندہ سطروں میں پیش کی جارہی ہے۔

نزاع کی پہلی صورت میں مصالحت کا اصول اور طریق کار:

اگر بیوی شوہر کے معیار پر نہ اترتی ہو، اس لیے وہ اسے ناپسند ہو، تو قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم دی ہے کہ شوہر اپنی ذہنی اصلاح کرے اور حسن معاشرت کا طریقہ اختیار کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورۃ النساء:۱۹) ترجمہ: بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو —— علامہ بغویؒ نے حسن معاشرت کی بڑی مختصر اور جامع تفسیر نقل فرمائی ہے: هي الإجمال في القول والمبيت والنفقة و قيل هو ان يتصنع لها كما تتصنع له (تفسیر بغوی، سورۃ النساء، آیت:۱۹) ترجمہ: حسن معاشرت یہ ہیکہ شوہر بیوی سے اچھی طرح بات کرے، اچھی طرح اس کے ساتھ رات گزارے اور اچھی طرح اس کے اخراجات فراہم کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح بیوی اُس کے لیے بن سنور کے رہتی ہے، اسی طرح شوہر بھی بیوی کے لیے سج دھج کر رہے —— آگے اللہ تعالیٰ نے حسن معاشرت اختیار کرنے کا ثمرہ بیان فرمایا: فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (سورۃ النساء:۱۹) ترجمہ: اگر تم اپنی بیوی کو پسند نہیں کرتے ہو، تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند نہ کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں ''خیر کثیر'' رکھدے —— ''خیر کثیر'' دنیا و آخرت کے مختلف فائدوں اور سہولتوں کے لیے جامع لفظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حسن معاشرت کی برکت سے بیوی کے دل میں محبت ڈال دیں گے، پھر اس کی طرف سے خدمت، راحت رسانی اور ہمدردی کا مخلصانہ برتاؤ شوہر کو بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے گا، لہٰذا اس کے دل میں بھی بیوی کے تئیں مثبت جذبات پیدا ہونے لگیں گے، جو رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل ہوجائیں گے، پھر اولاد ہوگی، جو دنیا و آخرت کی بڑی نعمت ہے اور اگر بالفرض ایسا نہ بھی ہو، تو بحکم الٰہی ناپسند بیوی کے ساتھ صبر اور حسن سلوک کی برکت سے دنیا و آخرت کی بہت سی سعادتیں بہر حال میسر ہوں گی —— الغرض مذکورہ صورت حال میں شوہر کو چاہئے کہ اپنی پسند کے معیار کے تئیں مصالحت اور ذہنی اصلاح کا اصول اختیار کرتے ہوئے حسن معاشرت کا خود کو پابند بنائے —— اور اگر عورت اس صورت حال سے دو چار ہو، تو اسے بھی یہی اصول اور طریق کار اختیار کرنا چاہئے۔

نزاع کی دوسری صورت میں مصالحت کا اصول اور طریق کار:

شوہر کی طرف سے حقوق زوجیت کی ادائیگی کے باوجود، بیوی شوہر کی حق تلفی کرتی ہو اور اس کے تئیں نافرمانی اور سرکشی کا رویہ اپناتی ہو، تو قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم دی ہے کہ شوہر چونکہ عائلی نظام میں سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (سورۃ النساء:۳۴) ترجمہ: مرد عورتوں پر سربراہ ہیں —— اس لیے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کی اصلاح کے لیے ہر ممکن جدوجہد کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تفصیلی طریق کار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا (سورۃ النساء:۳۴) ترجمہ: جن بیویوں کی سرکشی کا تمہیں اندازہ ہوجائے، انھیں سمجھاؤ بجھاؤ (نہ سمجھیں تو) بستر پر تنہا چھوڑ دو (اس پر بھی نہ مانیں تو) ان کی تادیبی پٹائی کرو، اس پر اگر وہ مان جائیں، تو پھر ان پر (الزام تراشی یا طعن و تشنیع کی) کوئی راہ تلاش مت کرو —— بے شک اللہ تعالیٰ سب سے برتر اور سب سے بڑا ہے —— اس آیت میں دو باتیں خاص طور پر تشریح طلب ہیں: ایک یہ کہ بیوی کو مارنے کی اجازت کن حالات میں ہے؟ کس حد تک ہے؟ اور کیا شریعت اسے پسند کرتی ہے؟ ان باتوں کی تفصیلی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں فرمائی ہے، چنانچہ حجۃ الوداع کے خطبے میں آپ نے عورتوں کے حقوق کی تاکید کے بعد ارشاد فرمایا: ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کو کسی سے پامال نہ کرائیں اور اگر وہ ایسا کریں، تو تم انہیں تادیبی پٹائی کرسکتے ہو، جس سے گہری چوٹ نہ لگے۔ (صحاح عن جابرؓ) اس حدیث سے واضح ہوا کہ بیوی کو مارنے کی اجازت ایسے خاص حالات میں ہے، جب وہ شوہر کی غیرت کو چیلنج کرے اور بدچلنی کا راستہ اختیار کرے اور یہ بھی واضح ہوا کہ پٹائی تادیبی انداز کی ہونی چاہئے، جس سے عورت کی تنبیہ ہوجائے، مگر اسے کوئی جسمانی ضرر لاحق نہ ہو —— اس حوالے سے ایک حدیث میں یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ چہرے پر مت مارو اور بری طرح مت مارو (مشکوٰۃ) یعنی مارتے وقت شرافت و کرامت کا لحاظ رکھو اور یاد رکھو کہ اس تادیبی پٹائی کی اجازت بدرجۂ مجبوری دی گئی ہے، اس لیے

بہتر یہی ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ لن یضرب خیارکم کہ اچھے لوگ ہرگز اپنی بیویوں کونہیں ماریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانی شرافت و کرامت کا اعلیٰ معیار بنایا ہے، ان میں سے کسی سے یہ تادیبی کارروائی منقول نہیں ہے۔

اس آیت کے تحت دوسری بات قابل تشریح یہ ہے کہ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُواْ عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً (اگر وہ مان جائیں، تو ان کے خلاف کوئی راہ تلاش مت کرو) کی تفسیر علامہ بغوی نے یہ نقل فرمائی ہے: أي لا تجنوا علیهن الذنوب و قال ابن عیینه لا تکلفوهن محبتکم فإن القلب لیس بأیدیهن یعنی اگر وہ مان جائیں، تو ان کے خلاف کسی گناہ کا ارتکاب مت کرو اور ابن عیینہؒ نے فرمایا کہ انہیں اس بات کا پابند مت بناؤ کہ وہ تم سے محبت کریں، کیونکہ دل ان کے قبضے میں نہیں ہے —— صحابہؓ سے لے کر آج تک جمہور امت نے آیت کا یہی مطلب سمجھا اور سمجھایا ہے اور یہی عربی محاورے کے مطابق اور سیاق وسباق کے مناسب ہے، جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس آیت کا طلاق کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق بیوی کی اصلاح سے ہے اور اس سے ازدواجی زندگی کی خوشگواری مطلوب ہے۔

نزاع کی تیسری صورت میں مصالحت کا اصول اور طریق کار:

بیوی کی جانب سے حقوق زوجیت کی ادائیگی کے باوجود شوہر اس کے تئیں بدخوئی یا بے رخی کا رویہ اپنائے، تو قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم دی ہے کہ بیوی چونکہ عائلی نظام میں شوہر کے معاون کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے وہ تادیبی کارروائی تو نہیں کرسکتی، البتہ شوہر کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے مصالحت کی پیشکش کرسکتی ہے، جس کا طریق کار یہ ہے کہ مثلاً: شوہر پر بیوی کے تئیں نان ونفقہ اور مہر کی جو ذمہ داریاں عائد ہیں، بیوی ان میں تخفیف کردے اور اگر وہ خود کفیل ہو، تو شوہر کو بری الذمہ کردے، یا مثلاً شوہر کسی معاشی یا اقتصادی بحران کا شکار ہو اور بیوی کے پاس اس کا حل موجود ہو، تو وہ حل شوہر کے سامنے پیش کر کے مصالحت کا راستہ ہموار کرے، یا شوہر کو من پسند تحائف دے کر اس کی توجہ حاصل کرے اور ایسی صورت میں شوہر کو ہدایت ہے کہ وہ مصالحت کی پیشکش قبول کرلے، کیونکہ اُس کشیدگی یا طلاق سے بہرصورت یہ مصالحت بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزاً أَوْ إِعْرَاضاً فَلاَ جُنَاْحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحاً وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (سورۃ النساء:۱۲۸) ترجمہ: اگر کسی خاتون کو اپنے شوہر کی جانب سے بدخوئی یا بے رخی کا اندازہ ہوجائے، تو زوجین پر کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح مصالحت کرلیں اور مصالحت بہرحال بہتر ہے —— آگے اللہ تعالیٰ نے مصالحت کی حوصلہ افزائی اور اس پیشکش کی کامیابی کا اطمینان دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَأُحْضِرَتِ الأَنفُسُ الشُّحَّ (دلوں میں طبعاً حرص کا مادہ موجود ہے) لہٰذا اگر بیوی سلیم الطبع ہے، تو شرف زوجیت سے محرومی گوارہ نہیں کرسکتی اور اگر شوہر سلیم الطبع ہے، تو مصالحت کی اس نعمت کی ناقدری نہیں کرسکتا، نتیجۃً مصالحت کامیاب ہو کر رہے گی —— اس کے بعد خاص طور پر ازدواجی زندگی میں حسنِ سلوک اور تقوی کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَإِن تُحْسِنُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً (اگر تم حسن سلوک اور تقویٰ اختیار کرو —— تو اللہ تمہارے سب کام بنادے گا —— کیونکہ اسے تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے۔

نزاع کی چوتھی صورت میں مصالحت کا اصول طریق کار:

زوجین کے درمیان ایسی کشیدگی اور دوری پیدا ہوگئی ہو کہ وہ از خود آپس میں افہام وتفہیم کی پوزیشن میں نہ ہوں، تو اس صورت میں قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم دی ہے کہ زوجین کے اولیاء، مسلمانوں کی بااثر جماعت یا قاضی، ان کے درمیان مصالحت کے لیے انہی کے خاندان سے دو حکم کا تقرر کریں، دونوں حکم ذی علم، معاملہ فہم، مخلص اور دیانت دار ہوں، ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اسبابِ نزاع کو سامنے رکھ کر مصالحت کی معقول تجویز پیش کریں اور زوجین کو مصالحت پر آمادہ کرنے کے لئے ہر ممکن مخلصانہ جدوجہد جاری رکھیں، اس دوران فرداً فرداً زوجین کی شکایات بھی سنیں اور ایک دوسرے کو ان کے ازالہ کا پابند بنائیں، نیز زوجین کے حقوق وفرائض کی اہمیت اور ان میں کوتاہی کے نقصانات انہیں سمجھاتے ہوئے، خوشگوار زندگی کے دنیوی اور اخروی فوائد کی وضاحت کریں اور انہیں بتائیں کہ آپسی کشیدگی

یا طلاق کے بجائے مصالحت کر لینے میں ہی دنیا و آخرت کی بھلائی، اللہ اور رسول کی رضامندی، آل و اولاد کی خیریت اور دونوں خاندانوں کی عزت ہے —— اگر حکمین دیانتداری اور خلوص کے ساتھ اپنی ذمہ داری نبھائیں گے اور جلد بازی کے بجائے صبر و تحمل کے ساتھ مصالحت کی مثبت کوششوں میں لگے رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ غیب سے ان کی مدد کی جائے گی، زوجین کے دلوں کو مصالحت کی طرف پھیر دیا جائے گا اور ان کے درمیان موافقت پیدا ہو جائے گی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيماً خَبِيراً (سورۃ النساء:۳۵) ترجمہ: اگر تمہیں زوجین کے درمیان شدید نااتفاقی کا اندازہ ہو جائے، تو تم شوہر کے خاندان سے ایک حکم اور بیوی کے خاندان سے ایک حکم مقرر کر دو، اگر حکمین مصالحت چاہیں گے، تو اللہ تعالیٰ زوجین کے درمیان موافقت پیدا فرما دیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں دو باتیں خاص طور پر تشریح طلب ہیں: ایک یہ ہے کہ حکم کا تقرر کون کرے گا؟ دوسری یہ کہ حکمین کا دائرہ کار کیا ہے اور اسے بروئے کار لانے کی عملی شکل کیا ہے؟ چنانچہ پہلے مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے ابوبکر الجصاصؒ نے مختلف روایات نقل کی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں مخاطب زوجین کے اولیاء اور حکام وقت ہیں، لہٰذا وہی حضرات حکم کا تقرر کر سکتے ہیں، زوجین کے اولیاء تو ظاہر ہے کہ ان کی خیرخواہی اور مصلحت کے پیش نظر از خود ایسا کر سکتے ہیں، البتہ قاضی یا حاکم زوجین یا اولیاء کی طرف سے سفارش کی بنیاد پر یا ذاتی معلومات کی بنیاد پر قطعِ نزاع کی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے یہ تقرر کریں گے۔ فقہاء نے یہاں یہ بھی وضاحت کی ہے کہ زوجین یا ان میں سے کوئی ایک بھی حکم کا تقرر کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ جس طرح مصالحت کے دوسرے طریقے اپنا سکتے ہیں، اسی طرح وہ یہ طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں، بلکہ صاحبِ معاملہ ہونے کی حیثیت سے انہیں اس کی فکر زیادہ ہونی چاہئے۔

دوسرے مسئلے پر تفصیلی بحث کے بعد ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

فهما في حال شاهدان، و في حال مصلحان، و في حال آمران بالمعروف و ناهيان عن المنكر و في حال و كيلان إذا فوض إليهما الجمع و التفريق (احکام القرآن:۱۵۵/۳) ترجمہ: ایک صورت میں وہ دونوں گواہ ہیں (جبکہ انہیں قاضی نے مقرر کیا ہو) ایک صورت میں مصالحت کار ہیں (جبکہ انہیں اولیاء نے بغرض اصلاح مقرر کیا ہو) ایک صورت میں بھلائی کی تاکید کرنے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں (جبکہ انہوں نے بحیثیت اولیاء یہ ذمہ داری ادا کی ہو) اور ایک صورت میں وکیل ہیں جبکہ انہیں زوجین کی طرف سے موافقت یا تفریق کرانے کا اختیار سونپ دیا گیا ہو ----حکمین کی مختلف صورتوں میں یہ مختلف حیثیتیں ہیں اور ہر حیثیت کے مطابق ان کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں، جن کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، مگر ان کی اصل ذمہ داری اور ان کے تقرر کا اصل مقصد کیا ہے؟ اس کی طرف قرآن مجید نے واضح طور پر اشارہ کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: إن يريدا اصلاحاً يوفق الله بينهما کہ اگر حکمین نیک نیتی سے مصالحت کی کوشش کریں گے، تو اللہ تعالیٰ زوجین کے درمیان موافقت پیدا فرما دیں گے اور وہ مصالحت پر راضی ہو جائیں گے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان اصلاحی کوششوں کے ضمن میں اس ہدایت کا ذکر کیا ہے۔

ان تفصیلات سے اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مذہب اسلام میں ازدواجی زندگی کی کامیابی اور خوشگواری کی کتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی مختلف تدابیر کی تفصیلی ارشاد فرمائی ہے، حالانکہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے اہم ارکان کی بھی جزوی تفصیلات سے قرآن نے بحث نہیں کی ہے، بلکہ اصول وکلیات کے بیان پر اکتفاء کیا ہے، اسی طرح یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں ناموافقت یا کشیدگی کوئی انہونی بات نہیں ہے، لہٰذا اس کی بنا پر انتہائی قدم اٹھانے کے بجائے، نعمت ازدواج کی قدر و اہمیت اور ضرورت و افادیت کو پیش نظر رکھ کر ممکن حد تک اصلاحِ حال ہی کی فکر کرنی چاہئے، اس معاملہ میں شریعت نے زوجین میں سے ہر ایک کو ذمہ دار بنایا ہے، کیونکہ نعمتِ ازدواج کی ضرورت و افادیت ہر ایک کے حق میں مساوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۞۞۞

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب اور مسلم پرسنل لا بورڈ

مولانا رضوان احمد ندوی (امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ)

آج سے کوئی ۴۴ رسال پہلے ۱۹۷۲ء میں ہندوستان کے عروس البلاد ممبئی میں قانون شریعت کے تحفظ و بقا اور مسلم پرسنل لا کے دفاع کے لئے ایک تاریخ ساز عظیم الشان کنونشن ہوا جس میں پورے ملک کے مختلف مسالک و مکاتب فکر و خیال کے ایک ہزار سے زائد علماء و مشائخ باثر لوگوں نے شرکت کی اور متفقہ طور پر اعلان کیا کہ مسلمان ہر تکلیف گوارہ کرسکتا ہے لیکن مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم و تبدیلی اور مداخلت کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتا، یہ پہلا موقعہ تھا کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں نے مسلک اور مشرب کے فرق و فاصلہ کو مٹا کر دین و شریعت کی پاسبانی کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور ملک میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور ترویج کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا پھر ۱۹۷۳ء میں حیدرآباد میں باضابطہ طور پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی، بورڈ کا دستور مرتب ہوا جسکو اتفاق رائے سے منظور کیا گیا، اس کے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ پہلے صدر منتخب ہوئے اور قیام بورڈ کے روح رواں امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ جنرل سکریٹری بنائے گئے، اور ہر مسلک، اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داروں کو اس میں نمائندگی دی گئی اس طرح بورڈ نے اپنا سفر طے کرنا شروع کیا، ممبئی کنونشن کو کامیاب اور بامقصد بنانے کے لئے امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے اپنے بلند نگاہ رفقاء اور زمانہ شناس علماء کی ایک ٹیم تشکیل دی اور اسی ٹیم نے مجلس استقبالیہ کے تعاون سے ممبئی کنونشن کے لئے ماحول تیار کیا، فضا سازی کی اور ہر طبقہ کے لوگوں کو جوڑا، اس طرح کہنا چاہئے کہ مولانا سید نظام الدینؒ نے بورڈ کی خشت اول سے تادم مرگ وابستہ رہ کر قانون شریعت کے تحفظ کے لئے اپنی زندگی وقف کردی، امیر شریعت رابع ۱۷رسال تک بورڈ کے جنرل سکریٹری رہے، آپ کے عہد جنرل سکریٹری میں مولانا سید نظام الدینؒ بورڈ کی تمام تحریکات و جدوجہد میں شانہ بشانہ رہے چاہے معاملہ لازمی نسبندی کا ہو یا مساجد و مقابر کے تحفظ کا مسئلہ، یا مطلقہ کے لئے تاحیات یا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ لازم کرنے کے خلاف مہم ہو، یا حکومت کے منفی رویہ کے اظہار کا معاملہ ہو، ہر محاذ پر آپ پوری جرأت مندی وفکرمندی کے ساتھ سرگرم رہے۔ جب ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ رب کائنات سے جا ملے تو اس وقت کے صدر بورڈ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے پہلے آپ کو کارگزار جنرل سکریٹری بنایا اور پھر دسویں اجلاس بورڈ نئی دہلی میں ارکان کے مشورہ سے باضابطہ طور پر بورڈ کا دوسرا جنرل سکریٹری نامزد فرمایا، جنرل سکریٹری بننے کے بعد آپ سے حضرت امیر شریعت رابع کے تشکیل کردہ ضابطوں پر کاموں کو پھیلایا اور مستقبل کی منصوبہ بندی اور بروقت اقدامات سے بورڈ کو قوت عطا کی، جس کے نتیجہ میں بورڈ کا وقار واعتبار بلند ہوا۔

اس خاکسار کو ایک لانبے عرصے تک آپ کے ساتھ سفر وحضر میں رفاقت کی سعادت ملی، ان کے ساتھ بورڈ کے متعدد دوروں میں رہنے کا بہت اتفاق ہوا، جہاں انہیں بہت قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا ان دوروں کے آج بھی بہت سے خوشگوار منظر حافظے پر نقش ہیں، اکتوبر ۱۹۹۹ء بورڈ کا تیرہواں اجلاس ممبئی میں ہوا وہاں کے اجلاس کی تیاری کے لئے ایک ماہ پہلے تشریف لے گئے، مجھے یاد ہے کہ انہوں نے ۲۲ رمرکزی مقامات کے دورے کئے اور ہر جگہ مسلم پرسنل لا کی اہمیت وافادیت پر انتہائی پراثر اور مدلل تقریریں کیں اسی طرح جس میں انہوں نے بورڈ کو مستحکم بنانے پر توجہ دلائی اور قانون شریعت کو پوری زندگی میں نافذ کرنے پر زور دیا۔ مئی ۲۰۰۵ء میں بھوپال میں اٹھارہواں اجلاس ہوا، اجلاس سے چندر دنوں قبل وہاں گئے اور اپنے رفقاء کی معیت میں ۶ رمقامات پر قانون شریعت کی حکمت ومعنویت پر خطاب کیا، انہوں نے فرمایا کہ ہماری اصل طاقت ملت کا اتحاد ہے، ہم ہر قیمت پر اتحاد کو باقی رکھیں، اخلاقی مسائل میں اعتدال کا راستہ اختیار کریں اور اپنی زبان وقلم کو امت کے درمیان تفریق وانتشار کا ذریعہ نہ بنائیں، ان کے عہد جنرل سکریٹری میں بورڈ کے ۱۴ رکامیاب اجلاس عام ہوئے جسکی بازگشت پورے ملک میں پہونچی، حکومتی سطح پر بھی بورڈ کے وقار ووزن کو محسوس کیا گیا، جب ۶ ردسمبر ۱۹۹۲ء

میں بابری مسجد کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا تو اسکی بازیابی کے لئے ہر ممکن سعی فرماتے رہے، بورڈ کی قانونی کمیٹی کی ہر جہت سے معاونت فرماتے ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دھرنا اور گرفتاری بھی دی، مولانا سید نظام الدینؒ نظام قضاء کے قیام اور اس کے دائرہ کار کی وسعت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، متبنیٰ کا مسئلہ ہو، یا اراضی وقف بل منظور کروانے کا معاملہ، ہمیشہ جدوجہد کرتے رہے، انہوں نے خواتین کی دشواریوں کو حل کرنے کے لئے بورڈ کے تحت معیاری نکاح نامہ چھپوایا، مجموعہ قوانین اسلامی طبع کرایا، بورڈ کی کارکردگی سے عام مسلمانوں کو واقف کرانے کے لئے خبرنامہ کا اجراء کیا جس کے کئی شمارے دستاویزی حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ کے دور قیادت میں تفہیم شریعت کمیٹی کی تشکیل اور آئینی حقوق بچاؤ تحریک منظم ہوئی، اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے کارواں اور عظیم قائد کی حیثیت سے مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب (موجودہ جنرل سکریٹری بورڈ) پر ذمہ داری ڈالی گئی جہاں آپ نے بورڈ کے ارکان کی معاونت میں پورے ملک میں دورے کئے جو کہ نتیجہ خیز رہا، عدالتی اور حکومتی سطح پر بھی اس کے اثرات محسوس کئے گئے اس تحریک کو مؤثر بنانے کے لئے امیر شریعت حضرت مولانا امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی فکرمندی اور منصوبہ بندی بھی قابل رشک ہیں۔ اصلاح معاشرہ تحریک بھی منظم ہوئی اور اس موضوع پر کئی مفید کتابچے طبع کرائے جس سے صورت حال میں تبدیلی آئی اور علماء مدارس نے اسکو موضوع بنایا۔

حضرت مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں مشترکہ ایجنڈا کے لئے اشتراک وتعاون کا مزاج بنایا اور سب کو ساتھ لے کر تہذیبی تشخص کو پروان چڑھانے کی جدوجہد کی۔ دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ بورڈ کا باضابطہ کوئی دفتر نہیں تھا، مونگیر اور پٹنہ کے کیمپ آفس سے دفتری مراسلات کا کام لیا جاتا تھا، آپ نے ۱۹۹۴ء میں نئی دہلی کے اوکھلا علاقہ میں ایک فلیٹ بورڈ کے لئے خریدا اور اسکو جدید سہولیات سے آراستہ کیا، افراد بحال کئے اور کاموں کو آگے بڑھایا، دفتری ضروریات کے پیش نظر ۲۰۰۱ء میں اسی فلیٹ کے بالائی منزل کا نصف حصہ بھی صدر بورڈ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے دور صدارت میں خریدا گیا اور اس طرح بورڈ کا باضابطہ مرکزی دفتر دہلی میں قائم ہوا۔

حضرت مولانا نے وصال تک مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ —— اور وصال تک قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے عہد صدارت میں بورڈ کے استحکام کے لئے کوششیں کیں پھر جب ۲۰۰۲ء میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر منتخب ہوئے تو ان کی قیادت میں بورڈ کے کاموں کو آگے بڑھایا، ان بزرگوں کے ساتھ آپ کی بڑی ذہنی وفکری ہم آہنگی تھی اسلئے انہیں مسائل کے حل کے لئے استصواب میں قوت ملتی رہی، جسکی وجہ سے بورڈ کا قافلہ رواں دواں رہا۔

حضرت مولانا کی شخصیت کی مختلف جہتیں تھیں، وہ صاحب وقار انسان تھے، عظمت وبلندی ان سے عبارت تھی، حالات حاضرہ سے واقف کار، ملی مسائل پر سوچی سمجھی رائے رکھنے والے بے مثال مدبر اور عظیم مفکر تھے، قدرت نے آپ کو صاحب فضل وکمال اور بابصیرت عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بے دار مغز، معاملہ فہم اور دور اندیش بھی بنایا تھا خاص کر انتظامی صلاحیتیں ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، ہر نشیب وفراز میں چٹان بن کر سمت منزل کی طرف قدم بڑھاتے رہے، نہ پیچھے مڑکر دیکھتے اور نہ ہی مایوسی کے شکار ہوئے، بلاشبہ وہ اپنے مخلصانہ جدوجہد سے اس سفینہ کو آگے بڑھایا اور امت کی یہ امانت ملت کے حوالہ کرکے ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ رحمۃ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ

اس وقت ملت پر بڑا نازک دور آگیا ہے، مرکزی حکومت ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے پرتول رہی ہے اور اس کے لئے نت نئے حربے استعمال کررہی ہے، ضرورت متقاضی ہے کہ ایسے نازک حالات میں اشتراک عمل کے ساتھ بورڈ کی موجودہ قیادت پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے میدان عمل میں سرگرم ہوجائیں اور اس بات کا اعلان کریں کہ ہم کسی بھی حالت میں مسلم پرسنل لا سے دست بردار نہیں ہوسکتے اور نہ ہی اس میں کسی تبدیلی کو گوارہ کرسکتے ہیں، امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام صاحبؒ سابق جنرل سکریٹری بورڈ نے فرمایا تھا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی کوشش ہندوستان میں اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہوسکتی ہے جب ۲۵/کروڑ مسلمانوں کا اسے اس طرح تعاون ملے کہ پوری ملت اپنی عائلی زندگی کو اسلامی شریعت کی روشنی میں ڈھالنا شروع کردے اور قیادت پر اعتماد کرے (خبرنامہ ۲۰۰۸ء) اللہ کے فضل وکرم سے ہماری موجودہ قیادت ابھرتے ہوئے ان فتنوں کا پوری متانت ودانشمندی کے ساتھ جواب دے رہی ہے، ہم ان کے قدم بہ قدم چلیں اللہ ہمارا حامی و مددگار رہے۔

۞۞۞

............اور محفل سونی ہوگئی

ڈاکٹر محمد وقارالدین لطیفی (آفس سکریٹری مرکزی دفتر مسلم پرسنل لا بورڈ)

ہندوستان کے کونے کونے سے ملت اسلامیہ ہندیہ کا ایک مضبوط کارواں مسلک ومشرب سے اوپر اٹھ کر ۲۷/۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء میں عروس البلاد ممبئی میں سر جوڑ کر جمع ہوا تھا جہاں اس ملک کے مسلمانوں کی ایک نئی تاریخ رقم کرنے کا ہمارے بزرگوں نے بیڑہ اٹھایا اور ایسی تاریخ مرتب کرنے کا عہد وپیمان لیا جس سے پورے ملک کے مسلمانوں کا فائدہ ہو اور ملک کے کونے کونے میں اسلام اور اہل اسلام کے ایمان ویقین، شریعت اور عائلی قوانین کے تحفظ کا فیصلہ کیا گیا۔ بزرگوں کے اس کارواں میں شریک ہونے والی ہستیوں کے زیادہ تر افراد اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ارض دکن کے مرد آہن جناب سید خلیل اللہ حسینی صاحب مرحوم کے دست وبازو کی حیثیت رکھنے والے جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب مرحوم بھی تحفظ شریعت کے اس قافلہ میں شریک کارواں تھے، جہاں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، پھر چند مہینے بعد ۷/۸/اپریل ۱۹۷۳ء میں آپ کے آبائی شہر حیدرآباد میں اس پلیٹ فارم کا باقاعدہ وجود عمل میں آیا اور اسی اجلاس میں بورڈ کے اغراض ومقاصد کی روشنی میں ارکان کا انتخاب اور دستور العمل منظور کیا گیا۔ اس اجلاس کے انعقاد میں بھی محترم قریشی صاحب مرحوم کا نہایت اہم رول رہا، آپ کی سرکردگی میں اس کے بعد بھی بورڈ کے دو اہم اجلاس ۲/مئی ۱۹۸۱ء اور ۲۱/تا ۲۳/جون ۲۰۰۲ء میں ہوئے، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ قریشی صاحب اول دن سے بورڈ سے جڑے رہے اور تادم حیات اس سے وابستہ رہ کر ۱۴/جنوری ۲۰۱۶ء کی صبح بوقت سحر ۴/بجے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارے محترم قائد مدبر قوم اور معماران ملت اسلامیہ ہند کے سرخیل، مسلمانان ہند کے بے باک، مخلص اور بے لوث ترجمان محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب جنہیں آج نہ چاہتے ہوئے بھی رحمۃ اللہ علیہ لکھنے پر مجبور ہوں۔ ان کی جدائیگی کسی خاص فرد یا ادارہ کے لئے رنج والم کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا حادثہ ہے جس سے آج پوری ملت اسلامیہ ہندیہ مغموم واداس ہے کہ اب کون اس پریشان امت کی قانونی رہنمائی کرے گا۔ دور دور تک ان کا ثانی تو دور متبادل بھی نظر نہیں آتا بس رب کریم سے یہی دعا ہے کہ مرحوم قریشی صاحب کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرماتے ہوئے اس ملت کے لئے اپنے خزانۂ غیب سے کوئی متبادل پیدا فرمادے۔ آمین

محترم قریشی صاحب کی ذات کئی جہتوں سے مختلف الجہات شخصیت کی مالک تھی۔ آپ ماہر قانون ہونے کے ساتھ ساتھ علماء اور قانون دانوں کے درمیان معتمد ایک مضبوط کڑی کی حیثیت رکھتے تھے، اللہ نے آپ کو قانونی علم کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون پر جو گرفت گہرائی وگیرائی کے ساتھ عطا فرمائی تھی وہ اس سے پہلے بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملی، ان سب کے باوجود حلم وبردباری، قوم وملت کی فلاح کی فکر اور تڑپ، اخلاص، جذبۂ ایثار اور جہد مسلسل، مطالعہ کا دھنی، معلومات اور معلومات کو حافظہ میں محفوظ رکھنے کی جو صلاحیت غیب سے آپ کو حاصل تھی وہ بھی کم لوگوں کے حصہ میں آئی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے حد درجہ عشق وجاں نثاری، یاد صحابہؓ اور یاد الٰہی سے سرشار ہمہ وقت ملت کی فکر، اسکی آبرو کی سلامتی کی خاطر تگ ودو قابل رشک رہی، ان کے اس عزم وحوصلہ نے کبھی ان کی بیماری کو حائل نہ ہونے دیا، نہ تھکنے والا جذبہ، جہد مسلسل، عمل پیہم کے ساتھ جس کام میں لگ جاتے بھوک پیاس، سونا اور آرام کرنا سب بھول جاتے صرف بروقت نمازوں کی ادائیگی کے لئے وقفہ ہوتا پھر لگے رہتے۔ ان جیسی تمام خوبیوں کے حسین سنگم کے مجموعہ کا نام محمد عبدالرحیم قریشی تھا۔

قوم وملت کے اس بے لوث ترجمان کی ولادت شہر حیدرآباد کے

عثمان شاہی محلّہ کے ایک متوسط گھرانے کے فرد جناب محمد علی قریشی صاحب مرحوم کی دوسری اہلیہ (محبوب النساء) کے بطن سے ۷/جون ۱۹۳۵ء میں ہوئی، آپ کے والد کی تین شادیاں ہوئی تھیں، پہلی بیوی سے اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کی، لیکن ان کی رفاقت زیادہ دنوں نہ رہ سکی تو آپ نے تیسری شادی کی جس سے چار لڑکے پیدا ہوئے، (دو بھائی ابھی بھی بقید حیات ہیں) قریشی صاحبؒ نے ابھی عمر عزیز کی دو بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ ماں کی شفقتوں سے محروم ہوگئے۔ زندگی کے ابتدائی دس سال کی عمر تک پھوپھی کے آغوش تربیت میں پروان چڑھے اور والد محترم سے ہی اپنی تعلیم کی ابتداء کی اور گلستاں و بوستاں پڑھی، پھر اپنے والد ماجد ہی کی نگرانی میں دسویں جماعت تک کی تعلیم حاصل کی، اب مرحلہ تھا آگے کی تعلیم، وہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا، گھر کی اقتصادی حالت ایسی نہ تھی کہ اعلیٰ تعلیم دلائی جاسکے، آپ نے اس کے لئے بڑی محنتیں کیں اور اس کے لئے آپ کو بڑے دشوار کن مسائل ومصائب سے بھی دوچار ہونا پڑا، لیکن عزم وحوصلہ اور ارادوں میں کہیں لغزش نہ آنے دی، جنون کی حد تک حصول تعلیم کے جذبہ پر خدا مہربان آخر ہو ہی گیا، آپ نے اپنی تعلیم کا خرچہ پورا کرنے کے لئے ٹیوشن کا سہارا لیا۔ کڑی محنت ومشقت کے بعد آپ برسوں اپنے تعلیمی مشن کو پورا کرنے میں لگے رہے اور عثمانیہ یونیورسیٹی سے ۱۹۵۶ء میں B.Sc کی سند حاصل کی۔ معاشی تنگیوں کی دشواریوں کی وجہ سے M.Sc میں داخلہ لینے کے باوجود مکمل نہ کرسکے اور درمیان میں ہی تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ دوران تعلیم ہی جب دکن کے مرد آہن جناب سید خلیل اللہ حسینیؒ نے دکن کے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی خاطر ۱۹۵۰ء میں ''بزم احباب'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تو محترم قریشی صاحبؒ بھی سید خلیل اللہ حسینی صاحبؒ کے ساتھ نوجوانوں کی صف میں سب سے آگے شانہ بہ شانہ کھڑے رہے اور اپنی بے لوث جذبۂ خدمتِ قوم وملت میں حسینی صاحبؒ کی تربیت میں پروان چڑھتے گئے۔ جیسا کہ ذکر کیا کہ معاشی تنگی کی وجہ سے M.Sc مکمل نہ کرسکے اسی دوران آپ اے جی آفس میں بحیثیت آڈیٹر کے سرکاری ملازمت سے وابستہ ہوگئے ابھی چند سال ہی ہوئے تھے کہ بزم احباب کا دائرہ اور اسکی ہیئت میں کافی پھیلاؤ اور تبدیلی آگئی اس لئے کہ ۱۹۵۴ء میں اسی بزم احباب کا نام تعمیر ملت رکھا گیا۔ پھر ۱۹۵۷ء میں جب تعمیر ملت تین ریاستوں میں پھیل گئی تب اسے کل ہند مجلس تعمیر ملت کا نام دیا گیا۔ اور محترم قریشی صاحب با قاعدہ مجلس تعمیر ملت کے نائب صدر بنائے جاچکے تھے اب ظاہر ہے کہ محمد عبدالرحیم قریشی جیسا بے لوث، مخلص اور غیور قیوم ملی امور کو کس طرح نظر انداز کرسکتا تھا، چنانچہ آپ کو جس وقت محسوس ہوا کہ ملازمت سے ملی امور متأثر ہورہے ہیں آپ نے سرکاری ملازمت کو الوداع کہہ دیا اور پورے تن من دھن کے ساتھ قوم وملت کی خدمت میں لگ گئے۔ سرکاری ملازمت کو یک لخت الوداع کہنے کی خبر جب آپ کے مربی جناب سید خلیل اللہ حسینی صاحبؒ کو لگی تو وہ بہت ناراض ہوئے اور قریشی صاحب سے جب اس سلسلہ میں استفسار کیا تو ہمارے قریشی صاحبؒ نے انتہائی سادگی کے ساتھ فرمایا کہ ''وقت کی تنگی وکمی سے ملت اسلامیہ کا کام نہیں ہورہا تھا اس لئے وہ قوم کی خدمت کی خاطر ملازمت کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کرچکے ہیں''۔ (ماہنامہ وقار ہند حیدرآباد، فروری ۲۰۱۶ء، ص:۸) آپ نے اپنی تنگدستی کو نظر انداز کرتے ہوئے ملی مسائل کو کس جذبے کے ساتھ مقدم رکھا، یہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا بلکہ یہ تو انہوں نے انتہائی جرأت مندانہ اور ایثار وقربانی سے بھرپور اعلی مثال قائم کی۔ آپ نے نہ صرف عملی زندگی میں ایثار وقربانی کا نمونہ پیش کیا، بلکہ دنیا سے جاتے جاتے بھی ایثار وخودداری کا عملی درس دیا، اور بستر مرگ پر جب تلنگانہ حکومت نے سرکاری خرچ پر علاج کی پیشکش کی تو آپ نے اپنے بچوں کو بلایا اور شکریہ کے ساتھ بچوں کے ذریعہ اخباری بیان جاری کرکے معذرت کرادی۔ ۲۳/اکتوبر ۱۹۶۰ء مطابق ۲/جمادی الاولی ۱۳۸۰ھ میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوگئے، ملی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ خوانگی ذمہ داری بھی بڑھتی چلی گئی، آپ کثیر العیال تھے چھ لڑکے اور پانچ لڑکیوں سے اللہ نے نوازا تھا۔ اقتصادی بحران کے باوجود آپ نے کبھی بھی ملت کا سودا کرنا تو دور بلکہ اس بابت کبھی بھولے سے سوچا تک نہیں، آپ کو مختلف موقعوں پر بڑی بڑی پیش کش کی گئی مگر آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی اور آپ نے شکریہ کے ساتھ معذرت کردی، اور اقتصادی بحران کو خوش دلی کے ساتھ مرضی مولی سمجھ کر قبول کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی پہلی میقات ختم ہونے کے بعد بورڈ کے رانچی اجلاس (۱۵/۱۶/اکتوبر ۱۹۷۷ء) میں آپ کی صلاحیتوں اور جذبوں کو دیکھتے ہوئے قریشی صاحبؒ کو بورڈ کا باقاعدہ ممبر منتخب کیا گیا۔ حالانکہ ان کی حیثیت اور خدمات شروع دن سے بورڈ کو حاصل رہی۔ پہلے سے ہی آپ کے اوپر تعمیر ملت اور اس کے ترجمان پندرہ روزہ ''شعور'' کی ادارت کی بہت بڑی ذمہ داری تھی، اس وقت تک آپ نے باقاعدہ وکالت کی نہ تو تعلیم حاصل کی تھی اور نہ ہی قانون کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن قانونی امور و معاملات پر آپ کی بڑی گہری نگاہ تھی اور اس میدان سے کافی دلچسپی بھی رکھتے تھے، لیکن حالات نے اب تک باقاعدہ اسکی ڈگری حاصل کرنے کا موقع نہ دیا تھا، چنانچہ اسی دلچسپی کی وجہ سے بھیونڈی فسادات کی تحقیقاتی کمیشن میں آپ نے مدلل اور کامیاب بحث کے ذریعہ فریقین سے لوہا منوالیا، سید خلیل اللہ حسینی صاحبؒ نے قریشی صاحبؒ کی اس صلاحیت کو مزید پروان چڑھانے کے لئے .L.L.B کرنے کی تاکید فرمائی چنانچہ ۱۹۷۷ء میں عثمانیہ یونیورسیٹی سے آپ نے باقاعدہ وکالت کی سند اس نیت سے حاصل کی کہ وہ کبھی بھی اس سے اپنا ذاتی فائدہ حاصل نہیں کریں گے۔ اور سند حاصل کرنے کے بعد باقاعدہ آپ نے اعلان کیا کہ ''وہ کبھی بھی اپنے ذاتی فائدہ کے لئے وکالت نہیں کریں گے بلکہ صرف مسلمانوں کے لئے قائم کمیشنوں میں بطور وکیل شریک ہوں گے۔ وہ آخری وقت تک اس شرط پر سختی کے ساتھ قائم رہے، آپ کی قابلیت سے نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم دانشوران بھی متأثر ہوئے''۔ (ماہنامہ وقار ہند حیدرآباد، فروری ۲۰۱۶ء، ص:۸) یہ حقیقت ہے کہ آپ نے پوری زندگی اس کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، رضا کارانہ طور پر اپنی اس صلاحیت کا ہمیشہ استعمال کیا۔ اس کے علاوہ بیڑ، مادن پور فسادات پر بنے کمیشنوں میں اور مکہ مسجد بم بلاسٹ جیسے مقدمات میں آپ نے اپنی قانونی خدمات انجام دیں۔

تعمیر ملت کے ساتھ ساتھ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو آپ نے پورا پورا بیش قیمت وقت دیا اور دونوں پلیٹ فارموں سے آپ نے قوم و ملت کی جو خدمات انجام دی ہیں تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتی، ایک طرف تعمیر ملت کے بانی سید خلیل اللہ حسینیؒ کی تربیت و سرپرستی حاصل رہی تو دوسری طرف مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی رہبری و سرکردگی میں آپنے بڑے ہی تاریخی کارنامے انجام دیئے۔ یونیفارم سول کوڈ، متبنی بل، ایمرجنسی، شاہ بانو سے لے کر بابری مسجد، قانون وقف میں ترمیم، نفقہ مطلقہ، نکاح نابالغان، ہم جنسی، RTE، دارالقضا اور ایک نکاح میں دو سگی بہنوں کو شامل کرنے جیسے مقدمات میں آپ کی قانونی صلاحیت و اہمیت کو ہر کس و ناکس نے بخوبی محسوس کیا اور ان سب تجربہ گاہوں سے گذر کر جو شخصیت نمودار ہوئی اس کا نام محمد عبدالرحیم قریشی تھا، مسلم پرسنل لا بورڈ کی ہر خدمت اور کارنامے کے ہر حرف کے ساتھ آپ کا نام سنہرے حرفوں کے ساتھ شامل ہے آپ کی خدمات کے بغیر مسلم پرسنل لا بورڈ کی خدمات ادھوری ہے، آپ نے اپنی لگن اور سچی محنت سے کماحقہ خدمت انجام دی، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ محترم قریشی صاحب بیک وقت کئی صلاحیتوں کے مالک تھے، ان ہی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مدنظر ۲۰۰۳ء میں آپ کو مسلم پرسنل لا بورڈ کا اسسٹنٹ جنرل سکریٹری کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ آپ کے ناتواں کاندھوں پر مسلم پرسنل لا بورڈ جیسے حساس ادارہ کی ترجمانی کی ذمہ داری بھی ڈالی گئی تھی جس کو آپ نے بخوبی پوری زندگی نبھایا۔ اور اس سے بڑھ کر بورڈ کے اب تک کے صدور و جنرل سکریٹری تمام ہی بزرگوں کے ساتھ ساتھ مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے ذمہ داروں کا بھی آپ کو مکمل اعتماد حاصل تھا، کوئی بھی قانونی معاملہ ہوتا آپ کی رائے صائب رائے ہوتی۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے جلسوں کو سنبھالنا، پریس کے لوگوں سے نپی تلی زبان میں بات کرنا اور موجودہ دور کے صحافیوں کے سوالوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے کو بچاتے ہوئے مثبت جواب دیکر مطمئن کرنا، اسلامی قانون، ملکی قانون، جمہوری طریقہ کار اور ملک کی مختلف عدالتوں میں جاری مقدمات پر نگاہ جمائے رکھنا جیسی بے شمار خوبیاں آپ کے امتیازی اوصاف میں سے تھیں، اور سب سے بڑی بات ان جیسا مخلص اور بے لوث جو نام و نمود سے دور خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہتا ہوا اور اپنی قوم کے لئے جینا جانتا ہوا اور قوم کے لئے دن رات ایک کئے رہتا ہوا اس قحط الرجال کے دور میں نظر نہیں آتا، اس اللہ کے بندہ نے ملت کی فلاح کو ہمیشہ مقدم رکھا، دن کا چین اور راتوں کی نیند کو میں نے

اپنی کھلی آنکھوں سے بارہا قربان کرتے دیکھا ہے کہ بیماری اور سخت تکلیف و پریشانی کے باوجود ملت کی فلاح کے کاموں کو مقدم رکھا، ۲۴/ گھنٹے میں ۱۸/۱۸/ گھنٹے مستقل کام کرتے دیکھا، درمیان میں صرف نمازوں کی ادائیگی فرماتے اور بار بار دیکھا کہ بھوک و پیاس سب بھول کر کاموں میں لگے رہتے۔ ہم جیسے جوانوں کی ہمت بھی جواب دے جاتی مگر ان کا جگر تھا کہ صرف کام کرتے، ان کے حوصلوں سے تقویت ملتی اور کاموں کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد ملتی۔ کارکنوں کے ساتھ آپ کا معاملہ مشفقانہ اور ہمدردانہ ہوا کرتا تھا، کبھی بھی کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالتے، ان کے نزدیک پیار ومحبت بنیادی بات تھی اسی لئے تو جب کوئی کام حوالہ کرتے تو شفقت کے ساتھ حوالہ کرتے، جب انہیں آرام کرنا ہوتا تو بتادیتے کہ میں آرام کرونگا اور اتنے بجے بیدار ہوکر فلاں کام کرونگا، بارہا مشاہدہ کیا کہ ان کو اپنی نیند پر مضبوط گرفت تھی وہ بغیر کسی کے بیدار کرائے خود بیدار ہوتے اور تازہ دم ہوکر پھر اپنا کام شروع کردیتے، بعض لوگوں کے بارے میں سنا تو تھا مگر اپنی نیند پر قریشی صاحبؒ کی طرح اتنا کنٹرول اب تک میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔

ملی قیادت کے یہ پہلے فرد ہوں گے جنہوں نے الہ آباد ہائی کورٹ کے لکھنؤ بنچ کے بابری مسجد مقدمہ کے فیصلہ کا جو کہ عدالتی صفحات کے تقریباً ۹/ ہزار صفحات اور مطبوعہ شکل میں چار ہزار صفحات کا از اول تا آخر مطالعہ فرمایا، بابری مسجد مقدمہ کے ہر پہلو پر عدالتی کارروائی و دروغ بیانی پر بار بار تحریر وتقریر کے ذریعہ اپنی صفائی پیش کرتے لیکن ہائی کورٹ کے فیصلہ کے مطالعہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''میں نے پورے فیصلہ کا مطالعہ کرلیا ہے، یہ فیصلہ کذب بیانیوں اور من گھڑت افسانوں پر مشتمل ہے اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ ان فیصلوں کے نقائص کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزی زبان میں ایک تحقیقی کتاب مرتب کروں، چنانچہ آپ اس کام میں اپنے معمول کے مطابق لگ گئے، جب کبھی کوئی کتاب یا ریکارڈ کی ضرورت محسوس کرتے تو ہمیں خدمت کا موقع ضرور دیتے اور اس موضوع پر درجنوں کتابیں حاصل کر کے حیدرآباد بھیجی گئیں اور آپ نے ان سب کا مطالعہ کیا، ماہ دو ماہ میں ایک ملاقات ضرور ہوجاتی اور اپنی اس تحقیق کے بارے میں تازہ صورتحال سے واقف کراتے اور میری بار بار یہی درخواست ہوتی کہ یہ تحقیقی کتاب انگریزی کے ساتھ اردو میں بھی آئے، مارچ ۲۰۱۵ء کے پہلے ہفتہ میں جب کتاب مکمل ہوگئی تو فون پر خوشخبری سنائی کہ آپ کے بار بار اصرار پر اردو مسودہ تیار ہوگیا ہے اگر آپ کی یاددہانی بار بار نہ ہوتی تو شاید کچھ اور تاخیر ہوتی اب یہ کتاب طباعت کے لئے تیار ہے اور بورڈ سے شائع ہوگی تیاری شروع کردیں اور جے پور اجلاس (۲۱و۲۲/ مارچ) میں وقت نہیں ہے اس پر فوری توجہ دیں'' مسودہ پر جب میری کمزور نگاہ پڑی تو دیکھا کہ کوئی صفحہ کمپوزنگ کی غلطی سے خالی نہ تھا فون پر قریشی صاحب سے اجازت لینے کی جرأت کی تو انہوں نے اعتراف کیا کہ غلطیاں ہیں مگر وقت نہیں ہے جیسے ہے رہنے دیں، جب میں نے یہ ذمہ داری لینے کی جسارت کی کہ اجلاس تک کتاب طبع ہوجائیگی تب انہوں نے پراعتماد لہجے میں نہ صرف اجازت دی بلکہ حوصلہ افزائی بھی فرمائی، سرورق کی ڈیزائننگ اور طباعت کے بنیادی مراحل کے کام شروع کرادیئے گئے، دوبار پورے مسودہ کی خواندگی کی گئی اور جب جے پور اجلاس کے موقع سے مطبوعہ کتاب آپ کی خدمت پیش کی گئی اور تصحیح شدہ دونوں مسودے تو آپ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا، فرمانے لگے وقار میاں! اللہ نے آپ کے ذریعہ ہماری اور بورڈ کی لاج رکھ لی، معمولی غلطیوں کا اندازہ تو تھا مگر اسقدر غلطیاں ہوں گی قطعی اس کا اندازہ نہ تھا، آپ نے بڑی ہمت افزائی کی اور مطبوعہ کتاب کی عمدہ طباعت وغیرہ کو پسند بھی فرمایا۔ سرورق ان ہی کی پسند سے فائنل کیا گیا تھا، اسی لئے انگریزی نسخہ میں بھی آپ نے اسی سرورق کو باقی رکھا۔

طباعت سے پہلے پوری کتاب دومرتبہ پڑھ چکا تھا، تو قریشی صاحب نے فرمایا کہ ''تمہاری کیا رائے ہے بےجھجک اپنی رائے دو'' میں نے عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ محترم اسمیں کم ازکم ایک باب کی شدت سے کمی محسوس ہورہی ہے، پوچھا وہ کیا؟ میں نے عرض کیا کہ بورڈ نے کب اور کن حالات میں بابری مسجد کے معاملہ کو اپنے ذمہ لیا اور بورڈ نے اس کے لئے کیا کاوشیں کیں، انہوں نے ہمت افزائی کے کلمات کے ساتھ فرمایا! وقار میاں! آپ کے نزدیک ایک باب ہے لیکن میں اسمیں تین ابواب کی کمی محسوس کرتا ہوں۔ ایک تو وہ جو آپ نے بتایا دوسرا یہ کہ عدالت کے فیصلہ کا خلاصہ وتجزیہ کے ساتھ ساتھ آئندہ کے اقدامات پر بھی الگ الگ ابواب کا

اضافہ پیش نظر ہے، انشاء اللہ انگریزی ایڈیشن اضافہ کے ساتھ شائع ہوگا، جب انگریزی نسخہ کی طباعت کی خوشخبری آپ نے دی تو میرا یہی پہلا سوال تھا کہ اضافہ ہوسکا یا نہیں؟ مگر انہوں نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ ''اردو نسخہ کی مقبولیت اور انگریزی نسخہ کے مطالبہ کی شدت، ملی مصروفیتوں اور طبیعت کی اونچ نیچ کی وجہ سے موقعہ نہیں ملا انشاء اللہ آئندہ دیکھوں گا''۔ مقدر میں نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کو ان کی زندگی میں ہی دونوں زبان میں طبع کرانا مقدر تھا سو ہوا۔ اور یہ تحقیقی کتاب خواہش کے مطابق مکمل نہ ہوسکی ،لیکن جو ہوا وہ بھی ایک تاریخی کارنامہ سے کم نہیں ہے۔

محترم قریشی صاحب مرحوم ومغفور کی ذات ہشت پہل نگینہ تھی، مختلف الجہات صلاحیتوں اور خوبیوں کے مالک تھے، پندرہ سالوں تک ان کی سرپرستی ونگرانی میں بورڈ کی خدمت کا موقع ملا، اور اس دوران بہت قریب سے دیکھنے، سیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا، بارہا سفر وحضر میں بھی ساتھ رہا، اور ہر جگہ ان کی خوبیوں کو دیکھ کر کچھ سیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، بورڈ کے صدر دفتر دہلی میں بھی قیام کبھی کبھی ہفتہ عشرہ ہوجاتا اور ہمہ وقت کارکنان دفتر کے ساتھ یہ حقیر بھی آپ کی خدمت میں رہ کر کچھ سیکھنے کی کوشش کرتا، مرحوم قریشی صاحب بھی انتہائی درجہ شفقت کا معاملہ فرماتے، بڑی محبت کرتے اور اچھے کاموں پر بروقت حوصلہ افزائی کرنے میں کبھی بھی نہ تاخیر کرتے اور نہ ہی بخل سے کام لیتے۔ حالانکہ عام طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے، لیکن قریشی صاحب کا معمول اس کے بالکل برخلاف ہوتا، آپ کھلے ذہن اور فکر کے تھے، سادگی وسنجیدگی کا نمونہ تھے۔

جون ۲۰۱۳ء میں دہلی تشریف لائے اندنوں دہلی میں انتہائی تکلیف دہ گرمی ہوا کرتی ہے، بورڈ دفتر کے کانفرنس ہال میں اے سی کا نظم ہے چنانچہ ہال کے مغربی حصہ میں جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ اور مشرقی جانب محترم قریشی صاحبؒ کے قیام کا نظم کردیا گیا دونوں بزرگوار ایک ہی دن تشریف لائے اور دونوں اپنی مصروفیتوں میں مشغول رہے، اگلا دن بھی میٹنگوں کی مصروفیت میں گذر گیا، پھر اگلی صبح حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ ''اے جی لگتا ہے قریشی صاحب کی طبیعت خراب ہے کیا؟'' میں نے عرض کیا نہیں تو وہ ٹھیک ہیں! پھر انہوں نے فرمایا کہ ''عزیزم میں تم سے کہہ رہا ہوں ناپرسوں شام سے میں منتظر ہوں کہ ان سے تنہائی میں کچھ بات کروں، رائے مشورہ کروں مگر وہ مستقل مطالعہ اور لکھنے میں مصروف ہیں، وہ تھکتے ہی نہیں ہیں جبکہ میں انتظار کرکے تھک جاتا ہوں''، میں نے عرض کیا کہ محترم قریشی صاحب کا یہ معمول ہے کہ وہ خالی وقت میں مطالعہ کرتے ہیں اور دوران سفر بھی پابندی سے مطالعہ کرتے ہیں اور زیادہ تر سیرت، تاریخی اور قانونی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور جب کوئی اہم معلومات ملتی ہے تو وہ اس کو نوٹ کرتے ہیں یا بعض کتاب کا خلاصہ بھی ایک جگہ لکھ لیتے ہیں یہ ان کا شروع سے معمول ہے۔ تب کہیں جاکر جنرل سکریٹری صاحبؒ کو اطمینان ہوا۔ حالانکہ دفتر کے تمام کارکنان قریشی صاحب کے اس معمول سے بخوبی واقف تھے، خیر دونوں بزرگوں میں ملاقات اور بات ہوئی جنرل سکریٹری صاحبؒ نے قریشی صاحبؒ سے بھی یہ بات بتادی کہ میں نے وقار سے ایسا ایسا کہا اور اس نے جب جواب دیا تو میں آپ کے پاس آگیا۔ مرحوم قریشی صاحب جنرل سکریٹری صاحبؒ کی اس گفتگو پر زیرلب تبسم کو روک نہ پائے، دراصل دونوں بزرگوں کا قیام ہر موقع پر عام طور سے الگ الگ کمروں میں ہوا کرتا تھا مگر شدت گرمی کی وجہ سے پہلی بار ایسا موقع آیا تھا، جبکہ دونوں ایک دوسرے کا بڑا احترام واکرام کرتے تھے۔ اب یہ دونوں بزرگ آگے پیچھے مالک کے دربار میں حاضر ہوچکے ہیں رب کریم دونوں بزرگوں کے ساتھ اپنے خاص فضل وکرم کا معاملہ فرمائے۔

قریشی صاحب کی محنت شاقہ اور جہد مسلسل کو دیکھ کر جوان خون بھی پانی ہونے اور مضبوط ہڈیوں کو گھلنے میں دیر نہ لگے گی، بابری مسجد مقدمہ کے خلاف بورڈ نے سپریم کورٹ میں جو جواب داخل کیا ہے اس کا زیادہ تر حصہ ہمارے قریشی صاحبؒ کے قلم سے ہے، اسی طرح دارالقضا مقدمہ ،غرض کہ بورڈ کی طرف سے لڑی جانے والی تمام قانونی لڑائیوں کا زیادہ تر مسودہ آپ ہی قانون دانوں کے مشورہ سے تیار کرتے، بورڈ کا جب کوئی وفد حکومت کے سربراہوں سے ملاقات کرتا تو میمورنڈم، ملاقات کے بعد اخباری بیان سب آپ ہی تو مرتب فرماتے، وکیلوں سے رابطہ، ارکان بورڈ کو گاہے گاہے کسی اہم مسئلہ پر متوجہ کرنا اور اس کے لئے کوشش کرنا سب آپ

بہت خوبی کے ساتھ انجام دیتے۔ سپریم کورٹ سے جب کسی فیصلہ پر ردعمل کا اظہار کرنا ہوتا تو اولاً اس فیصلہ کا مطالعہ کرتے، بغیر مطالعہ وہ بڑی صفائی کے ساتھ کہہ دیتے کہ ابھی میں نے دیکھا نہیں ہے دیکھنے کے بعد کوئی بیان دوں گا آپ کو صاف گوئی سے بات کرنے میں ذراسی بھی جھجک نہ ہوتی، یومیہ مطالعہ کا ایک معمول تھا، سفر ہو یا حضر اس معمول میں کبھی فرق نہ آیا اگر بیماری کی وجہ سے معمول متاثر ہوتا تو صحت یابی کے بعد اس کمی کی تلافی فرماتے۔ اخیر وقت تک مطالعہ سے شغف باقی رہا، اور حافظہ کام کرتا رہا، اللہ نے آپ کو بڑا اچھا حافظہ دیا تھا جو کچھ مطالعہ کرتے حافظہ میں محفوظ ہوجاتا، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ موضوع تھا، تاریخ، اسلامی علوم اور ملکی قوانین بھی آپ کے پسندیدہ موضوعات تھے۔

یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ مجلس تعمیر ملت اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے حسین سنگم بھی آپ تھے آپ نے تعمیر ملت کے ترجمان پندرہ روزہ شعور کے ایڈیٹر کی ذمہ داری بھی خوبی کے ساتھ نبھائی اور ایسی نبھائی کہ پوری بے باکی اور جرأت مندی کے ساتھ حکومت اور فسطائی طاقتوں کے خلاف جم کر لکھا جس کا اس زمانے میں تصور کرنا بھی محال تھا، آپ کے ساتھ فسطائیوں نے شعور کے مشتملات پر ۳۵ رمقدمات دائر کئے لیکن آپ کی قانونی مہارت ایسی تھی کہ آپ ان تمام مقدمات سے باعزت بری کئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ''عبدالواحد اویسی مرحوم اور ان کے فرزند سلطان صلاح الدین اویسیؒ، سید خلیل اللہ حسینیؒ اور محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحبؒ نے دکن بالخصوص حیدرآباد کے مسلمانوں کو سر اٹھا کر جینے کا سلیقہ اور انداز ہی نہیں سکھایا بلکہ یہ وہ چار بنیادی ستون ہیں جن پر مسلمانان حیدرآباد کی ملی شناخت، بصیرت اور عظمت کا محل کھڑا ہے۔ ملک بھر میں قحط الرجال کے دور میں حیدرآباد کے ان چار اکابر نے سیکولرزم اور قوم پرستی کے نام پر سیاست کرنے والے قائدین کی نام نہاد مسلم دوستی کا بھرم ختم کردیا تھا جو مسلمانوں کے لئے کچھ کرنے کے قطعی روادار نہ تھے''۔ (ماخوذ مضمون جناب رشید انصاری صاحب حیدرآباد) بالآخر یہ آخری ستون بھی اب باقی نہ رہا ان کے انتقال سے حیدرآباد کی ملی غیرت وعظمت کی عمارت کی یادگار عمارت منہدم ہوگئی، ملت کے عدالتی معاملات پر آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی، چھوٹوں سے شفقت کا معاملہ بڑوں کی تعظیم اور قوم کی خاطر جہد مسلسل اور بے لوثی کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر کے ذریعہ رضائے الٰہی کی فکر آپ کا ممتاز پہلو تھا۔

آپ کی وفات پر بورڈ کے کارگزار جنرل سکریٹری حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے اپنے تعزیتی پیغام میں صحیح فرمایا کہ ''جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کسی ایک انسان کا نام نہیں تھا ان کا درد اور ان کی تڑپ اور فکرمندی پوری ملت کے لئے وقف تھی۔ قریشی صاحب اپنی جوانی کے دور میں سید خلیل اللہ حسینی صاحبؒ کی تحریک سے متاثر ہوئے اور ملی خدمات میں ایسے لگے کہ قریباً پچاس سالوں تک اس قوم کی خدمت اور بہتری کے لئے اپنا ایک ایک قطرہ خون سوکھا دیا اور اپنی جوان ہڈیوں کو گھلا دیا۔ آپ کی صلاحیتوں کو والد صاحبؒ (حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب بانی بورڈ) نے تاڑلیا اور وہ بورڈ کے لئے ایک مضبوط ستون ثابت ہوئے۔ ہمارے قریشی صاحبؒ سید خلیل اللہ حسینی صاحبؒ کے جذبۂ ایثار کی بھٹی میں تپے اور مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی تربیت میں ایسے پروان چڑھے کہ وہ پوری قوم کے لئے گوہر نایاب اور ملت کے لئے عظیم سرمایہ ثابت ہوئے۔ آپ کی خدمات کی بڑی طویل فہرست ہے آپ کا جذبہ بڑا مبارک تھا، قانونی وعدالتی اور جمہوری معاملات میں بورڈ کی کامیابیوں میں بنیادی رول آپ کا ہوا کرتا تھا۔ بورڈ کی خدمات کے ہر حرف کے ساتھ آپ کا نام جڑا ہے۔''

محترم قریشی صاحبؒ نے دہلی کا آخری سفر ۳۱ راکتوبر ۲۰۱۵ء کو فرمایا یکم نومبر کو بورڈ کے ذمہ داروں کے ساتھ ایک اہم نشست تھی آپ نے معمول کے مطابق اسمیں نہ صرف شرکت کی بلکہ بھرپور حصہ لیا۔ ۲ رنومبر ۲۰۱۵ء کو انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر میں ایک پریس کانفرنس رکھوائی تھی جسمیں آپ نے تاریخی دلائل کی روشنی میں زبانی اور تحریری طور پر بتایا کہ جس ایودھیا میں رام کی پیدائش کا ڈنکا بجایا جارہا ہے وہ دراصل یوپی کے ایودھیا میں ہے ہی نہیں۔ ہندو مذہب کی مقدس کتابوں میں شری رام کی جائے پیدائش کے مقام کے جو آثار وقرائن بیان کے گئے ہیں اسکی روشنی میں شری رام کی جائے پیدائش یوپی کے ایودھیا میں نہیں بلکہ یہ ایودھیا ایک جگہ نہیں دو

دو جگہ ہے اور یہ دونوں جگہیں تقسیم ہند کے بعد اس وقت پاکستان میں ہیں۔ پریس کانفرنس کے لئے دن میں ساڑھے دس بجے دفتر سے نکلنے لگے تو اپنے ہمراہ مجھے بھی چلنے کا حکم دیا، ۱۲ ربجے پریس کانفرنس ہوئی سہ پہر چار بجے ان کو ایئرپورٹ کے لئے نکلنا تھا مگر انہوں نے وہیں ایک کمرہ میں قیام کیا اور مجھے ساتھ ہی رکھا، دوپہر کے کھانے کا نظم کیا، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب ایئرپورٹ کے لئے نکلنے لگے تو دروازہ بند کرنے سے پہلے اپنے بیٹے منصور قریشی سے معلوم کیا کہ ''کیا کھانے کا کچھ حصہ بچا تو نہیں ہے'' منصور نے میری طرف اشارہ کیا میں نے عرض کیا کہ ''ایک روٹی اور معمولی سے چاول''! معلوم کیا کہ ''تم نے اس کا کیا کیا؟'' میں نے عرض کیا کہ ''سلیقہ سے ایک تھیلی میں بند کر کے رکھدیا ہے''، چہرہ پر تھوڑی سی ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا ''وقار میاں! یہ نعمت خداوندی ہے، اس کی ناقدری نہ کریں، آپ کو معلوم ہے کہ اس طرح کے ہوٹلوں میں باقی ماندہ کھانے کا کیا حشر ہوتا ہے یہ سیدھے پھینک دیئے جائیں گے اور اس کھانے کی بے حرمتی ہوگی۔ آپ وہ تھیلی اپنے ساتھ رکھ لیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم اس بچے ہوئے کھانے کو استعمال کر لینا، ہرگز ہرگز اس کو ضائع مت کرنا، اگر نہیں کھانا تو عزت کے ساتھ کسی ضرورت مند انسان کو کھلا دینا، میں نے ان کے حکم کے مطابق خود استعمال کیا، لیکن کیا پتہ کہ یہ آخری ملاقات ہوگی اور وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین کے تحت کھانے کی عظمت ہی نہیں بلکہ میرے لئے یہ ان کا آخری پیغام ثابت ہوا کہ نعمت خداوندی کا اکرام کرو اور اس کی بے حرمتی سے بچو۔ پورے دن انہوں نے اپنے ساتھ رکھا جبکہ ایئرپورٹ کسی کو ساتھ لیجانے کا کبھی معمول نہ تھا اس کے باوجود اس بار ایرپورٹ تک ساتھ رکھا اور ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیا۔ اس آخری ملاقات میں بھی درس عبرت دے گئے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور مراتب بلند کرے (آمین یا رب العالمین)

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

۞۞۞

بقیہ: مسلم معاشرہ کے مختلف مسائل اور ان کا حل

وہ بھٹکے ہوئے انسانی گلہ کی پاسبانی کریں اور انسانوں کو دین محکم اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کا فرض انجام دیں۔ (مقدمہ: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ۲۳)

اس لیے موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے تعلیم کا مسئلہ سب سے اہم ہے اور اسی سے جڑا ہوا تہذیب وتمدن کا مسئلہ ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اندر ایمان وعقیدہ کو مستحکم کرنے کے ساتھ دینی تعلیم سے بچے بچیوں کو کم از کم اس حد تک ضرور واقف کرا دیں کہ وہ زندگی کے کسی بھی میدان میں اپنے ایمان وعقیدہ کے تئیں تزلزل کا شکار نہ ہونے پائیں، اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکام پر اس حد تک ایمان و یقین پیدا کر دیں کہ اس کے خلاف کسی بھی حکم کو اپنے لیے دینی و دنیوی ہلاکت کا ذریعہ سمجھنے لگیں اور اس سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کریں؛ بلکہ اسلام سے وابستگی ہی کو اپنی عزت وسرخروئی کا ذریعہ قرار دیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ''أنا كنا أذل قوم فأعزنا الله بالإسلام فمهما نطلب العز بغير ما أعزنا الله به أذلنا الله'' (مستدرک حاکم، رقم الحدیث: ۲۰۷) ''ہم لوگ ذلیل قوم تھے، اللہ تعالی نے محض اسلام کی وجہ سے عزت اور شان وشوکت دی، اسلام کو چھوڑ کر کہیں اور ہم عزت کے متلاشی ہوئے تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔'' غرض ہماری عزت وذلت دونوں صرف اور صرف اسلام سے ہی وابستہ ہے، اس لیے ہم مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی پورے اسلامی تشخص وشعار کے ساتھ صحیح شکل میں اپنے عمل وکردار کے ذریعہ لوگوں کے سامنے اسلام کی حقانیت کو پیش کریں کہ آج ہمارے معاشرہ کی سب سے بڑی بیماری یہی ہے کہ ہم عملی طور پر اسلام سے دور ہیں اور اس کا صحیح حل بھی یہی ہے کہ ہم اس کو عملی طور پر قبول کر لیں، اسی کے ذریعہ ہم پوری دنیا کو اسلام کی صداقت وحقانیت کے ساتھ ساتھ یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ آج بھی یہی مذہب اسلام اور صرف یہی مذہب سسکتی بلکتی انسانیت کو ہلاکت سے نجات دے کر پرسکون زندگی عطا کر سکتی ہے اور اسی مذہب پر عمل کر کے ہم دنیا وآخرت کے خسارہ سے بچ کر دنیا کی نعمتوں سے بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

۞۞۞

بنگال کے مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی

صورتحال کا جائزہ

ڈاکٹر صباح اسماعیل ندوی (جبریل انٹرنیشنل اسکول، کلکتہ)

30 فیصد مسلم آبادی والی ملک کی اہم ریاست مغربی بنگال کے مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی صورتحال ملک کی دیگر ریاستوں کے مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی صورتحال سے زیادہ مختلف نہیں ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ملک کی بہت ساری ریاستوں کے مسلمان یہاں کے مسلمانوں کے مقابلے زیادہ بہتر حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

2005 میں مرکزی حکومت نے ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کے سماجی، تعلیمی واقتصادی حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی تشکیل دی تھی۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ 2006 میں پیش کی تھی۔ مجموعی طور پر اس رپورٹ میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ سماجی، تعلیمی اور اقتصادی محاذ پر مسلمانوں کی حالت دلتوں اور دیگر پسماندہ طبقات سے بھی بد تر ہے۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں مطلوبہ تعداد میں اسکول اور کالج نہ ہونے کی وجہ سے وہ تعلیمی سہولیات سے فیضیاب نہیں ہو پاتے اور تعلیمی میدان میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اقلیتی اسکولوں میں مطلوبہ تعداد میں ٹیچروں کی دستیابی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے تعلیمی معیار پر اثر پڑتا ہے۔

اقتصادی سطح پر بھی سچر کمیٹی نے یہ انکشاف کیا کہ مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی casual labourers یعنی یومیہ مزدوری کا کام کرتی ہے۔ سرکاری یا نجی سیکٹر میں ان کی ملازمت کی شرح بے حد کم ہے اور اس معاملے میں وہ درج فہرست ذاتوں کے برابر ہیں۔ سرکاری ملازمت کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کا تناسب کہیں بھی پانچ فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ بات بھی اس رپورٹ سے سامنے آئی کہ سرکاری ملازمتوں میں نچلی سطح کے عہدوں پر زیادہ مسلمان ہیں یعنی پیون، دربان اور کلرک کی حیثیت سے کام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اونچے عہدوں پر ان کی شراکت اور بھی کم ہے۔ نتیجے میں مسلمانوں نے تین سیکٹر میں زیادہ توجہ مرکوز کی ہے۔ تمباکو، بیڑی سیکٹر، کپڑا صنعت اور الیکٹریکل پروڈکٹس۔ سچر کمیٹی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی 31 فیصد آبادی خط افلاس سے نیچے گزر بسر کرتی ہے۔

یہ صورت حال کم وبیش تمام ریاستوں میں ہے۔ مغربی بنگال کے مسلمان بھی تعلیمی ومعاشی اعتبار سے بہت اچھی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ سچر کمیٹی کے علاوہ نجی اداروں اور محققین کی تحقیق سے یہ بات کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ مغربی بنگال میں مسلمان اگرچہ آبادی کے لحاظ سے دوسری سب سے بڑی اقلیت ہیں اور ان کی آبادی ریاست کی کل آبادی کا تقریباً 30 فیصد ہے، مگر وہ تعلیمی اور معاشی اعتبار سے نہایت پس ماندہ ہیں۔

مارچ 2016 میں نوبل انعام یافتہ ماہر معاشیات ڈاکٹر امرتیہ سین کے ادارے پرتیچی ٹرسٹ اور SNAP نے اپنی ایک مشترکہ رپورٹ میں انکشاف کیا کہ سچر کمیٹی رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے دس سال بعد بھی بنگال کے مسلمانوں کی حالت میں کوئی سدھار نہیں ہوا ہے کیونکہ سرکاری طور پر ان کی حالت کو سدھارنے کے لئے ٹھوس اقدامات نہیں کئے گئے ہیں۔ Living Realities of Muslims in West Bengal 'مغربی بنگال کے مسلمانوں کے زندہ حقائق' کے عنوان سے شائع شدہ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ریاست کے 80 فیصد سے زائد مسلمان 5000 روپے سے کم ماہانہ آمدنی رکھتے ہیں۔ ان میں سے 38 فیصد مسلمانوں کی ماہانہ آمدنی 2500 روپے ماہانہ یا اس سے کم ہے۔ امرتیہ سین کے ادارے نے 325 گاؤں اور 73 ایسے وارڈوں کا سروے کیا جہاں مسلمانوں کی اچھی آبادی ہے۔ اس رپورٹ نے مزید حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ ریاست کے دیہی مسلمانوں کا صرف ڈیڑھ فی صد حصہ پرائیویٹ کمپنیوں میں تنخواہ دار ملازم ہے۔ ریاست میں مسلمانوں کا صرف ایک فیصد حصہ سرکاری ملازمت میں ہے۔ جیسا کہ سچر کمیٹی نے انکشاف کیا ہے، اس ایک فیصد کا بھی بڑا حصہ

نچلے عہدوں یعنی کلرک، دربان اور پیون کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔سرکاری ملازمت میں مسلمانوں کی ایک فی صد تعداد اردو پرائمری اور ہائی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد کی وجہ سے ہے ورنہ یہ فی صد ایک سے بھی کم ہے۔ریاست کے 30 فیصد مسلمانوں میں 18.5 فیصد بالغوں کے پاس ووٹر کارڈ ہی نہیں ہیں۔ریاست کے 31 فیصد گھروں میں نکاسی کا انتظام ہے مگر مسلمانوں کے صرف 12.2 فیصد گھروں میں ہی نکاسی کا انتظام ہے۔ریاست کے عوام میں شہری ترقی کا فیصد 32 ہے جبکہ صرف 19 فیصد مسلمانوں میں شہری ترقی ہوئی ہے۔نجی روزگار سے لگے ہوئے مسلمانوں کی تعداد 52 فی صد ہے جبکہ ہندوؤں میں نجی روزگار سے لگے افراد کا فیصد صرف 42 فی صد ہے جبکہ دونوں کی آبادی میں کافی فرق ہے۔ایسا اسی لئے ہے کہ سرکاری، نیم سرکاری اور پرائیویٹ اداروں میں مسلمانوں کی ملازمت آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

تعلیمی میدان میں بھی اس ریاست کے مسلمان اپنے ہم وطنوں کے مقابلے میں پیچھے ہیں۔ریاست میں ہر 10,000 افراد پر 10.6 سکنڈری اور ہائر سکنڈری اسکول ہیں جبکہ تین مسلم اکثریتی اضلاع مرشدآباد، مالدہ اور اتر دیناجپور میں یہ تعداد بالترتیب 6.2, 8.5, 7.2 ہے۔نیز 14-6 برس کے بچوں میں 15 فیصد مسلم بچے اسکول نہیں جاتے کیونکہ انہیں پڑھائی میں کوئی مستقبل نظر نہیں آتا۔ان میں سے بہت سارے بچوں نے اسکول میں داخلہ لینے کے بعد اسکول چھوڑ دیا یا پھر اسکول کا منہ ہی نہیں دیکھا۔ایسے تمام بچے کہیں محنت مزدوری کرتے ہیں اور اپنے کنبے کی کفالت کرتے ہیں۔

مغربی بنگال میں پانچ اضلاع مسلم اکثریتی علاقے ہیں۔یہ اضلاع ہیں مرشدآباد (63%)، مالدہ (50%)،اتر دیناجپور (47%)، بیربھوم (35%)،اور چوبیس پرگنہ (33%)۔ بلاک سطح پر جائزہ لیں تو پوری ریاست میں 341 بلاک ہیں جن میں 58 بلاکوں میں مسلمانوں کی آبادی پچاس فیصد سے زیادہ ہے۔25 بلاک میں ان کی آبادی چالیس سے پچاس فی صد ہے۔59 بلاک میں مسلمانوں کی آبادی 25 سے 39 فی صد ہے۔یہ ایک المیہ ہے کہ ریاست کے مسلم اکثریتی علاقے ہی زیادہ پس ماندہ ہیں اور حکومتوں نے ان علاقوں کی ترقی کے لئے قابل قدر اقدامات نہیں کئے۔مختلف سروے کے مطابق ریاست کے ان علاقوں میں بجلی، پانی اور نکاسی کا معقول انتظام نہیں ہے جہاں مسلم آبادی اکثریت میں ہے۔35% مسلم اکثریتی دیہاتوں میں طبی سہولتیں نہیں ہیں اور گاؤں والوں کو طبی سہولیات کے لئے چار یا آٹھ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔

بنگال کے مسلمانوں کی یہ حالت یقیناً اسی لئے ہے کہ گزشتہ چند دہائیوں تک مغربی بنگال کی حکومت نے کبھی مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت کو سدھارنے کی کوشش نہیں کی۔موجودہ حکومت پہلے کے مقابلے قدرے بہتر ہے اسی لئے مسلمانوں کی حالت دھیرے دھیرے سدھر رہی ہے۔مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے جتنے سرکاری محکمے ہیں سب پہلے کے مقابلے بہت فعال ہیں۔محکمہ اقلیتی امور اور مدرسہ تعلیم،حکومت مغربی بنگال کے تحت کام کرنے والے شعبے مغربی بنگال اقلیتی ترقیاتی ومالیاتی کارپوریشن، مغربی بنگال اقلیتی کمیشن، مغربی بنگال بورڈ آف مدرسہ ایجوکیشن، عالیہ یونیورسٹی، مغربی بنگال وقف بورڈ، مغربی بنگال ریاستی حج کمیٹی، مغربی بنگال مدرسہ سروس کمیشن اور مغربی بنگال اردو اکاڈمی، یہ تمام ادارے ان دنوں نہایت سرگرم ہیں۔مغربی بنگال اردو اکاڈمی تو اس وقت اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے ملک کی سب سے بہترین اردو اکاڈمی ہے مگر اس کے باوجود بنگال کے مسلمانوں کی حالت کی اصلاح کیلئے کی جانے والی کوششیں ناکافی ہیں۔

مجموعی طور پر ریاست مغربی بنگال میں مسلمانوں کی حالت قابل رحم ہے جہاں انہیں سرکاری اور غیر سرکاری ملازمت میں 2.5% کی شراکت دی گئی ہے۔تعلیمی میدان میں انہیں مطلوبہ سہولیات اب بھی نہیں حاصل ہیں جس سے وہ اپنی صلاحیتوں کو نکھار کر اپنی معاشی اور اقتصادی حالت کو سدھارنے کے قابل ہوتے۔یہ حکومت کا فرض ہے کہ سچر کمیٹی اور پرتیچی ٹرسٹ کی رپورٹ کی روشنی میں مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے ٹھوس اقدامات کرے۔

ریاست مغربی بنگال کا سیکولر ماحول یہاں کے مسلمانوں کیلئے امن واطمینان کا باعث ہے۔انہیں یہاں جو آزادی حاصل ہے وہ ملک کی کسی دوسری ریاست میں حاصل نہیں ہے۔ایسے میں حکومت کے علاوہ خود مسلم تنظیموں کو آگے بڑھ کر سنجیدگی سے مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی صورتحال کو بہتر بنانے کیلئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔فی الوقت مسلمانوں کے جو ادارے اصلاح حال کیلئے کام کررہے ہیں وہ غنیمت تو ہیں مگر کافی بہر حال نہیں ہیں۔ ۞۞۞

کلکتہ شہر کے تاریخی مقامات

شکیل افروز

کلکتہ کے متعلق ماہرین کا کہنا ہے کہ صدیوں پہلے یہ سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ کم از کم 5 ہزار سال قبل یہاں دلدلی نباتات اور مینگرو جنگلات پھیلے ہوئے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سمندر ہٹتے ہٹتے دور ہو گیا اور جزیروں کا وجود ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ کلکتہ بنگال کے بیسن کا حصہ ہے، اس کے اندر الویل مٹی کی اچھی خاصی مقدار Quartertiary دور کی ہے جس کے اوپر بڑی مقدار میں دور ثالث کی موٹی تہہ موجود ہے۔ المختصر کل کا کلکتہ آج کا سندر بن تھا۔

کلکتہ کے متعلق عام رائے یہ ہے کہ جاب چارنک اس کا بانی ہے، بالکل غلط ہے۔ پر وداس کی کتاب منسا منگل (1495ء) میں کلکتہ کا ذکر ہے۔ اس میں کسی چاند نامی سوداگر کا تذکرہ ہے جو کالی کتہ سے ہوتے ہوئے کالی گھاٹ مندر تک پہونچا تھا۔ آئین اکبری میں کلکتہ کو سرکار ست گاؤں کا ایک موضع قرار دیا گیا ہے۔ راجہ ٹوڈرمل کے کرائے کے کھاتے میں کلکتہ وغیرہ کی مالگذاری کا ذکر ہے۔ ایک پرتگالی سیاح Van Den Brooke کے 1660ء کے نقشے میں بھی کلکتہ نے جگہ پائی ہے۔

اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے ہر دور میں کلکتہ تاجروں کو راغب کرتا رہا ہے۔ ہندوستان کے سب سے لمبے دریائی نظام کے دہانے پر واقع ہونے کی وجہ سے زراعتی و معاشی خوشحالی کیلئے یہ ایک پسندیدہ مقام تھا۔ پورے برصغیر میں 17/ویں صدی اور بعد کی صدیوں میں سب سے مضبوط، سب سے بڑا اور سب سے زیادہ نفع بخش خطہ تھا۔ اسی تجارتی فوقیت کی بنا پر انگریزوں سے پہلے یہاں پرتگالی، آرمینی، یہودی، ولندیزی وغیرہ اپنا تجارتی نظام قائم کئے ہوئے تھے۔

یورپیوں کی آمد سے صدیوں پہلے یہاں سے زراعتی پیداوار اور کپڑے آبی جہازوں کے ذریعہ دوسری جگہوں رملکوں کو بھیجے جاتے تھے۔ پشتینی طور پر مقامی تجار اس پیشے سے منسلک تھے۔

17/ویں صدی میں سوتانوتی، کالی کتہ اور گوبند پور خوشحالی کی مہمیز بنے ہوئے تھے۔ جاب چارنک نے 1690ء میں ایک اعلان جاری کر کے ان تینوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا اور ایک ''سرپرست اعلیٰ'' کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے یہاں بسنے کی عام دعوت دی۔ دیہی علاقوں کی بہ نسبت یہ علاقے محفوظ تھے۔

1698ء میں انگریزوں نے ان تینوں گاؤں کو سالانہ بارہ سو روپے پر خرید لیا۔ 1717ء میں انگریز تاجروں نے مغل بادشاہ فرخ سیر سے مزید 38/گاؤں کی زمینداری کے حقوق حاصل کر لئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) دکھن پائیک پاڑہ (2) بیلگچھیا (3) دکھن داڑی (4) ہنگل کنڈی (موجودہ ہنگل کریا گلی) (5) الٹا ڈانگہ (6) شملہ (7) مکندہ (8) کمہار پاڑہ (موجودہ کمہار ڈانگہ) (9) کاکور گاچھی (10) باگماری (11) آرکولی (آرپولین) (12) مرزاپور (13) سیالدہ (14) کلکتہ (15) ٹینگرا (16) سندہ سورا (سورا ایسٹ روڈ) (17) بیرونی سورا روڈ (بڑسندہ) (18) شیخ پاڑہ (19) ڈولنڈ (بھوانی پور پی جی ہسپتال کے پاس) (20) برجی (21) تالتلہ (22) توپسیا (23) سانپ گاچھی (24) چوبھاگہ (25) چورنگی (26) کولیما (کولین لین) (27) گوبرا (28) باہر دکھن داڑی

(29) سیرام پور دیہی (30) جالا کولیما، جالا کلنگا، ڈینگہ بھانگہ (31) گریدل پاڑہ (32) انٹالی (33) چیت پور

مندرجہ بالا تمام گاؤں دریائے ہگلی کے مشرق میں واقع تھے۔ جبکہ پانچ گاؤں دریا کے مغرب میں واقع تھے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) سلکیہ (2) ہوڑہ (3) کسنڈیا (4) رام کرشن پور (5) بیٹر (بیٹور یا بیٹرا)

کلائیو نے 1757ء میں 24 / پرگنہ کی زمینداری اکوائر کر لی اور ان اضلاع میں واقع علاقوں کو کلکتہ میں شامل کر لیا۔ یہ علاقے مراٹھا ڈچ (خندق) سے باہر کے علاقے تھے۔ انہیں پندرہ ''دیہی'' میں بانٹ دیا گیا۔ دیہی کے لفظی معنی ''مکان'' مع کوٹھیوں کے اور مزرع ہے۔

(1) دیہی سنتھی (2) دیہی چیت پور (3) باغ جولا (4) دکھن پائیک پاڑہ (5) الٹاڈانگہ (6) شملہ (7) سورا (8) کلیہ (9) سیالدہ (10) انٹالی (11) توپسیا (12) سیرام پور (13) چکر بڑھ (14) بھوانی پور (15) منوہر پور۔

ان ''دیہی'' میں 55 / گاؤں شامل تھے۔ جنہیں بنگلہ زبان کی مناسبت سے پنچو (پچپن) گرام (گاؤں) کہا گیا۔ یہ 55 / گاؤں مندرجہ ذیل تھے۔

دیہی سنتھی : (1) جنوبی شنتھی (2) کاشی پور (3) پائیک پاڑہ **دیہی چیت پور** (4) چیت پور (5) تالہ (6) بیر پاڑہ (7) کالی دہا روڈ۔ **باغ جولا** : (8) دکھن داڑی (9) کانکورہ (10) نوابد۔ **دکھن پائیک پاڑہ**: (11) بیلگچھیا۔ **الٹا ڈانگہ** : (12) الٹاڈانگہ روڈ (13) باگماری (14) گوری بڑھ موجودہ گوری بیری لین۔ **شملہ** : (15) باہر شملہ (16) نارکل ڈانگہ۔ **سورا** : (17) سورا (سورہ ایسٹ روڈ) (18) کا کورگھا چھی (19) کوچ نن (20) دتہ آباد۔ **کلیہ** : (21) ملک آباد (22) کلیہ (ٹینگرا روڈ)۔ **سیالدہ** : (23) سیالدہ (شمال) (24) بلیہ گھٹہ روڈ۔ **انٹالی** : (25) انٹالی دیہی (انٹالی روڈ) (26) پگلہ ڈانگہ (27) نمک پوئٹہ (28) کمہارڈانگہ (29) گوبرا (30) ٹنگرا۔ **توپسیا** : (31) توپسیا روڈ (32) تلجلہ (33) بنیا پوکھر بشمول کڑایہ روڈ۔ **سیرام پور** : (34) چوبھاگہ (روڈ) (35) ڈولنڈہ (36) سانپ گاچھی (37) انٹو آباد (38) نونا ڈانگہ (39) بنڈل تمام الو بیڑیا (بنڈل روڈ) (40) بیدیہ ڈانگہ (41) کسٹیہ (42) پران نگر (43) گھوگھو ڈانگہ (44) سیرام پور دیہی سیرام پور روڈ۔ **چکر بڑھ** : (45) بالی گنج (46) گورچہ (47) چکبر بڑھ روڈ جنوبی و شمالی۔ **بھوانی پور** : (48) بھوانی پور روڈ (49) پنج گرام۔ **منوہر پور** : (50) بیل تلہ (51) کالی گھاٹ (52) منوہر پور روڈ (53) مدیا لی (54) ساہا نگر (55) کوئیکھالی

بنگلہ میں کالی کتہ برزبان فارسی کلکتہ اور بر زبان انگریزی Calcutta کہلاتا رہا ہے۔

سرکاری طور پر 2001ء میں کلکتہ کا نام کولکاتا کر دیا گیا ہے۔ خاص شہری آبادی 2011ء کی مردم شماری کے مطابق 44,86679 ہے۔ کل 141 وارڈ کو بورو XV میں تقسیم کیا گیا ہے جس کا رقبہ 200.71 کیلو میٹر یا 77.49 مربع میل ہے۔

کلکتہ انگریزوں کے زمانے میں ایک مدت تک (1774-1911ء) دارالخلافہ رہا، اس کا ذکر آئین اکبری میں بھی ہے۔ گوروں نے اسے اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جس نے واجد علی شاہ سے لے کر خاندان میسور یہ کو پناہ دی اور یہیں انہیں اپنے دامن میں سلا رکھا ہے۔

کلکتہ صوفیوں کی بھی سرزمیں ہے۔ ان میں سید اعلیٰ شاہؒ (بی این آر)، محمد بن تغلق کے زمانے میں کلکتہ آئے۔ حضرت منت اللہ شاہؒ کے نام سے منسوب اس کا ایک مرکزی علاقہ 'مانک تلہ' کہلاتا ہے۔ اس علاقے میں

مولانا ابوالکلام آزاد کے والد بزرگوار حضرت مولانا خیرالدینؒ آرام فرما ہیں۔مرزا غالب آئے تو انہوں نے بھی خود کو اس سے متاثر پایا اور برجستہ کہا۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں اِک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

کلکتہ کو کبھی قرار نہیں آیا۔کسی نے اسے گندگی کا شہر کہا۔کسی نے محلوں کا شہر کہا، کسی نے شہر نشاط کہا۔کسی نے جاں بلب خطاب دیا۔یہ ہڑتالوں اور جلوسوں کے شہر کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔یہاں ٹریفک نظام اجیرن بن گیا ہے۔بارشوں میں پانی جمع ہوتا ہے۔

کلکتہ کے سینے میں ان گنت کہانیاں محفوظ ہیں یہاں بہت سارے تاریخی مقامات ہیں۔اس شہر میں قدم رکھنے والے ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ان تاریخی مقامات کو دیکھے۔

ڈلہوزی اسکوائر

یہ کلکتہ کے قدیم تالابوں میں سے ایک ہے۔اگر ہم ڈچ افسر Stavorinus کی مانیں جنھوں نے 1770ء میں نوآبادی کا دورہ حکومت کے مشورے پر کیا تھا تا کہ یہاں کے مکینوں کو پینے کا خالص پانی فراہم کیا جائے تو ان کے مطابق اس جھیل کو کھدوایا گیا تھا۔کھدوانے کے بعد ہی اس کے اردگرد ایک باغ بنایا گیا تھا۔

اس کا پانی شیریں اور خوش ذائقہ تھا۔پانی کے چشمے بہت تیز تھے اس لئے سطح آب ہمیشہ یکساں رہتا تھا۔اس کے مشرق اور مغرب میں پایاب بنائے گئے تھے۔اس میں نہانا دھونا ممنوع تھا۔یہ تالاب مع باغ 25 ایکڑ زمین پر مشتمل تھا جسے انگریز The green before the Court کہتے تھے۔یہ اس زمانے میں کھلی چوحدی تفریح گاہ بھی تھی۔اسے ''پارک کے اندر مچھلی کا تالاب'' بھی کہا جاتا تھا۔وارن ہسٹنگز کے دور میں اسے صاف کیا گیا اور پشتہ بندی کی گئی۔

میونسپل کے ذریعہ شہریوں کو پانی فراہم ہونے سے پہلے یہ تالاب یورپیوں کے لئے میٹھے پانی سپلائی کرنے کا اہم ذریعہ تھا۔انگریزوں سے پہلے اس کا نام ''لال دیگھی'' تھا۔اس کے بعد ڈلہوزی اسکوائر اور آج کل یہ بی بی ڈی باغ (بنوئے، بادل اور دنیش) کہلاتا ہے۔

جی پی او

ڈلہوزی اسکوائر کے مغرب میں جی پی او یعنی جنرل پوسٹ آفس ہے۔اسے Watter Gran vile کے ڈیزائن پر Makintosh Burn نامی کمپنی نے بنوایا تھا۔1864ء میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور مکمل ہونے میں چار برس کا عرصہ لگا۔اس کی عمارت پرانے فورٹ ولیم کی جنوبی پٹی پر واقع ہے۔اس کی تعمیر پر 6.50 لاکھ خرچ آیا تھا۔عوام کے لئے 1868ء میں کھولا گیا۔اس کا بڑا گنبد اس کا خوشحال حسن ہے جو لندن کے سینٹ پال کی یادگار ہے۔اس کے ستون کورنتھی (قدیم یونان کی ایک طرز تعمیر) طرز میں ہیں۔اس کے مشرقی حصے میں چار گھڑیاں ہیں۔تین دکھائی پڑتی ہیں جبکہ ایک چھپی رہتی ہے۔اس کا قطر ڈیڑھ میٹر ہے۔1897ء میں ان گھڑیوں کو Warner & Sons سے لایا گیا تھا۔

میٹکاف ہال

جنرل پوسٹ آفس سے تھوڑی دوری پر میٹکاف ہال ہے جو Sir Charles Metcalfe سے منسوب ہے جو مارچ 1835 سے مارچ 1836 تک ہندوستان کے گورنر جنرل رہے۔ان کا شمار پوری دنیا میں ذہین اور لائق منتظم میں ہوتا تھا۔

اس عمارت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مغرب کی طرف سے یہ Athens کے Tower of winds سے مماثلت رکھتی ہے۔اس کا ڈیزائن C. K. Robinson نے تیار کیا تھا۔1840 سے 1842 کے آس پاس اسکی تعمیر ہوئی تھی۔مغربی اور مشرقی جانب اس کے اونچے کورنتھی ارکان دلوں کو چھو جاتے ہیں۔

پوسٹل میوزیم

جی پی او کے جنوب مغرب میں ذرا سی دوری پر Postal

Museum & Philatelic Library ہے۔اس میں ڈاک وٹیلی گراف شعبے کی تاریخ سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔اسے 1979 میں کھولا گیا تھا۔یہاں زمانہ قدیم کے استعمال شدہ ٹوکن،تصاویر،میزان،بٹخارے، لالٹین،ثبت مہر شدہ،دستخط شدہ دستاویزات،پرانے نام پلیٹ،خراب سکوں کے کاٹنے والے ہاتھ مشین،فولادی ہیلمٹ،چمڑے کا بکس،توپ،بھالے، تلواریں،پرانے زمین کے ٹیلیفون،منقش لیٹر بکس جس کے سر پر برٹش تاج وقدیمی اشیاء ہیں۔

اسمال کاؤزیز کورٹ

ڈلہوزی اسکوائر کے مغرب میں بنکشال اسٹریٹ میں Small Causes Court واقع ہے۔اس کے قیام کا مقصد بقایاجات (Debts & Demand) کی حصولیابی تھی۔پہلے اس کی حد 500 روپئے اور بعد میں 1000 روپئے تک کردی گئی۔پہلے یہ میوزیم کے احاطے میں تھا جس کا صدر چورنگی کی طرف تھا۔1870 میں یہ Mango Leave اور آخر میں موجودہ جگہ بنکشال اسٹریٹ میں قائم ہوا۔ یہ کورٹ Act IX of 1850 کے مطابق بنائی گئی ہے۔موجودہ عمارت کا ڈیزائن Mr. William White نے تیار کیا تھا۔طرز تعمیر ابتدائی فرانسیسی ہے۔البتہ انیسویں صدی کی وکٹوریہ جھلک بھی ہے۔مجموعی طور پر فرانسیسی پالادی طرز میں بنائی گئی ہے۔جولائی 1872 میں اسکی تعمیر شروع ہوئی تھی۔جون 1874 میں اس کا اہم حصہ بن گیا تو بغیر تقریب کے ہی اسے کھول دیا گیا۔وقت کے ساتھ اسمال کاؤزیز کورٹ،پریسیڈنسی کورٹ اور آج کی تاریخ میں کلکتہ میٹرو پولیٹن مجسٹریٹ بن گئی ہے۔فی الوقت یہاں 17 مجسٹریٹ کورٹ ہیں۔

کلکتہ اسٹاک ایکسچینج

یونانی ارکان والی اس عمارت کو Mackintosh Burn Ltd. نے 4,11000 روپئے کی لاگت سے بنایا تھا۔جس کا افتتاح 1928 میں اس وقت کے گورنر Stanley Jackson نے کیا تھا۔ گرچہ کلکتہ میں 1885ء سے ہی اسٹاک اور شیئر کاروبار شروع ہوگیا تھا لیکن ایک منظم ادارہ کلکتہ اسٹاک ایکسچینج کی شکل میں 1908ء میں وجود ہوا۔1923ء میں اسے لیمٹیڈ کمپنی کی حیثیت سے رجسٹرڈ کیا گیا۔اس وقت اس کا دفتر 2 نمبر Royal Exchange Place پر تھا۔1927 میں یہ موجودہ جگہ منتقل ہوا۔کاروبار کے اوقات میں یہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ملتی ہے۔

رائل ایکسچینج

اسٹاک ایکسچینج کے شمال سے انڈیا ایکسچینج سے ہوکر بائیں طرف جائیں۔آگے بائیں طرف ایک خوبصورت Chartered Bank کی عمارت ملتی ہے۔ اسے 1908ء میں Martin & Co. نے بنوایا تھا۔اس کے مخالف میں داہنی طرف ایک پرانی عمارت ہے جسے اس زمانے میں Law Building کہا جاتا تھا۔اب اس میں مختلف کمپنیوں کے دفاتر ہیں۔اس عمارت کے قریب میں Royal Exchange کی عمارت کھڑی ہے۔

کلکتہ میں ایک Commercial Exchange قائم کرنے کی بات (کلکتہ) چیمبر کی ایک عوامی میٹنگ مورخہ 30 نومبر 1857 کو سامنے لائی گئی اور اسے منظوری ملی۔اس ایکسچینج کا افتتاح یکم جون 1858 کو ہوا۔29 جون 1867 کو عطیہ دہندگان کی ایک میٹنگ میں متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ ایکسچینج کا نام بدل کر Broker's Exchange کردیا جائے۔تاہم یہ عملی خدمات دینے سے قاصر رہا۔1881ء میں اس کا احیاء کیا گیا۔بات چیت ہوئی لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔1893 سے یہ کام کرنے لگا اور عزت مآب ملکہ وکٹوریہ کی خاص اجازت سے اس کا نام Royal Exchange کردیا گیا۔

اسکی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد 9 فروری 1916 Baron

Charmichael گورنر جنرل نے رکھا تھا۔ اس کا ڈیزائن T.S. Gregson نے تیار کیا تھا۔ یونانی شاہکار والی اس عمارت کو کلکتہ ہی کے J.C. Banerjee نے پانچ لاکھ روپئے کی لاگت سے تیار کیا تھا۔ رسمی طور پر اس کا افتتاح 25 فروری1918 ء کو گورنر بنگال Lord Ronaldshayنے کیا تھا۔

اولڈ مشن چرچ

لال بازار کے جنوب میں اولڈ مشن چرچ ہے جسے John Zacharia Kiernanderنے بنوایا تھا۔ زکریا سویڈن کا رہنے والا تھا جس نے عیسائیت کے فروغ کے لئے مشنری سوسائٹی میں شمولیت اختیار کی تھی۔ وہ اگست1740 ء میں مدراس آیا تھا اور Cuddalore کے مشن سوسائٹی کا انتظام سنبھالا۔ جب اس شہر پر فرانسیسیوں کا قبضہ ہو گیا تو مشن کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اس سے قبل کلکتہ میں سراج الدولہ کے حملے(1756)میں شہر کا پہلا کلیسا St. Anne Churchتباہ ہو گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان دو سانحات سے لارڈ کلائیو کو تکلیف پہنچی۔ انہوں نے زکریا سے ملاقات کی اور انہیں بنگال آنے کی دعوت دی۔ وہ29 ستمبر 1758 ءکو کلکتہ پہنچا۔ اس نے انگریزوں اور ہندوستانی بچوں کے لئے ایک درسگاہ قائم کیا۔ دسمبر میں یہ اسکول مرغی ہٹہ میں کھولا گیا۔ 1761 ء میں کلکتہ میں ہیضے کی وبا پھیلی۔ زکریا بھی اس کی زد میں آ گیا۔ اسکی بیوی تو اس بیماری میں مر گئی۔ فروری1762 ء میں اس نے ایک دولت مند بیوہ Anna Wolley سے شادی کی۔ زکریا اسکول کے علاوہ ایک چرچ بھی تعمیر کرنے کا خواہشمند تھا۔ 1767ء میں موجودہ جگہ خریدی گئی اور اسی سال مئی میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ دسمبر 1770 میں اسے کھولا گیا۔ کلیسا کی عمارت میں 68 ہزار روپئے کی لاگت آئی تھی۔ اس میں سے 1818 روپئے کی تحصیل زکریا کے دوستوں سے حاصل ہوئی بقیہ رقم خود زکریا نے ادا کی۔ اس چرچ کا معمار ایک ڈنمارکی تھا جس کا نام Bontout de Melvilتھا۔ عمارت کی تکمیل سے پہلے اس کی موت ہوگئی۔

ایک رپورٹ کے مطابق جب یہ چرچ بن گیا تو اسکی عمارت دیکھنے میں بھلی نہیں لگتی تھی۔ بیرونی طور پر چکا چوند سرخ رنگ کے پتھروں میں تھا جس کے درمیان سفید رنگ ڈالا گیا تھا جس کی وجہ سے یہ عوام میں ''لال گرجا'' کے نام سے مشہور ہوا۔ زکریا کے انتقال کے بعد اسکی بناوٹ میں کئی طرح کا ردوبدل کیا گیا۔ 1870 میں اسے چرچ مشن سوسائٹی کو سونپ دیا گیا۔ 1897ء کے زلزلہ میں اس کی مخروطی چوٹی گر گئی تو آج تک نہیں بنی۔ موجودہ عمارت صلیب کی شکل میں ہے۔

رائٹرس بلڈنگ

ڈلہوزی اسکوائر کے شمال میں واقع 19 رہائش گاہوں والی سلسلہ وار عمارت تھی جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے جونیئر کلرک جنہیں Writer کہا جاتا تھا، رہتے تھے۔ اکتوبر 1776ء میں Thomas Lyon کو اس کی تعمیر کی اجازت ملی تھی۔ تاہم تھامس لایون اس کے اصل مالک نہیں تھے بلکہ Richard Barwell تھے۔ جب رائٹرس بلڈنگ بنی تو 1780ء میں حکومت نے پانچ سالہ لیز پر حاصل کر لیا تھا۔ 1830ء تک اس کا استعمال ملازمین کے لئے ہوتا رہا۔ 1862ء میں حکومت نے اسے خرید لیا کیونکہ جیورج کیمپل جو بنگال کے گورنر(1871-1874ء) تھے، نے تجویز پیش کی تھی کہ سرکاری دفاتر کو یکجا کر کے رائٹرس بلڈنگ میں سمیٹ دیا جائے۔

لیفٹیننٹ گورنر Ashley Eden کے دور (1877-1882)میں 1880 ء میں اس کی زبردست توسیع وترقی ہوئی۔ نئے بلاک بنائے گئے۔ اضافی جوڑی گئی اس طرح سرکاری منسٹری کو ایک جگہ مربوط و منظم کیا گیا۔ جب ایک ساتھ رہائش کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا تو اسے تاجروں کو اور انفرادی طور پر کرائے پر دیا گیا۔ آزادی کے بعد 1947ء میں اسے صوبائی حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا اور آج

یہ The Bengal Secretariate ہے۔

یہ عمارت گاتھی طرز (جو مغربی یورپ میں 12 ویں سے 16 ویں صدی عیسوی تک رائج تھا جس کی خصوصیت نوکدار محراب ہے) میں ہے۔

سینٹ اینڈریو چرچ

رائٹرس بلڈنگ کے مشرق میں St. Andrew Church ہے۔اس کا سنگ بنیاد 30 نومبر 1815ء کو St. Andrew Day کے موقع پر گورنر جنرل لارڈ ہسٹنگز نے رکھا تھا۔ اس کلیسا کو Messrs Burn Currie Co. نے تیار کیا تھا جس پر 2.46 لاکھ کا صرفہ آیا تھا۔حکومت وقت نے ایک لاکھ دیا تھا جبکہ جگہ کلکتہ میں پہلے اسکوٹش وزیر Dr. James Bryle نے دیا تھا جس کی قیمت 30 ہزار روپئے لی گئی تھی۔1835ء میں اس کے ٹاور پر گھڑی نصب کی گئی جس پر 5 ہزار کا خرچ آیا تھا۔ اس چرچ کو کریک چرچ بھی کہا جاتا ہے۔آج جس جگہ یہ چرچ واقع ہے وہاں 1790ء تک سپریم کورٹ کی بنچ بیٹھتی تھی۔اس لئے اس راستے کا نام Old Court House Street تھا،آج یہ ہیمنتو بوس سرانی ہے۔

قدیم کرنسی بلڈنگ

ڈلہوزی اسکوائر کے جنوب مشرق میں کلکتہ کی ایک پرانی کرنسی کی عمارت ہے۔ یہ عمارت اطالوی طرز کی لاثانی یادگار ہے۔ یہاں پر Calcutta Auction Co. کا گودام نما نیلامی گھر تھا۔کمپنی کے ختم ہونے پر آگرہ بینک نے موجودہ عمارت تعمیر کی۔ بعد میں بینک کا نام بدل کر Masterman Agra Bank رکھا گیا مگر یہ بھی کامیاب نہیں ہوا۔اس دور میں حکومت کرنسی شعبے کے لئے کوئی بلڈنگ تلاش کررہی تھی اور اسی بلڈنگ کو حاصل کرلیا۔ اس کی زمینی منزل پر Issue & Exchange of Govt. Paper Currency کا دفتر تھا۔اس کا داخلہ ایک خوبصورت صدر سے ہے جو تین حصوں میں ہے اس پر نقش ونگار کندہ ہیں۔ یہ دروازے انگلستان کے برسٹول میں تیار کئے گئے تھے۔اس کا مرکزی ہال کافی کشادہ تھا جس پر تین بڑے بڑے گنبد تھے۔ یہاں پر نوٹ، سونے، چاندی اور چھوٹے ریزگاری کے Exchange counter تھے۔ سہ منزلہ تک تمام کمروں کے فرش اطالوی سنگ مرمر سے مزین تھے۔

آزادی کے ابتدائی دور میں Central Public Works Department اس کا نگراں تھے جس نے اسے توڑ کر نئی بلڈنگ بنانے کی کوشش کی تو میونسپل کارپوریشن حرکت میں آیا اور اسے ٹوٹنے سے بچالیا۔اب یہ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا کے ماتحت ہے۔

ٹیلی گراف آفس بلڈنگ

کرنسی آفس کے جنوب مغرب میں کلکتہ کی ایک خوبصورت کشادہ اور سرخ اینٹوں والی عمارت ہے جو New Telegraph Office Building کہلاتی ہے۔اس کا اصل ڈیزائن Mr. Barn Father اگزکٹیوانجینئر نے 1868ء میں تیار کیا تھا۔اس کام میں Mr. Clark نے اسکی مدد کی تھی۔ زمین کو 1870ء میں صاف کیا گیا تھا۔1873ء تک اس کی تعمیر شروع نہیں ہوئی تھی کیونکہ Mr. Vivian نے اس کے پلان میں ردوبدل منظور کیا تھا۔اس کے بعد نئی بنیاد پڑی۔قحط کے سال 1874ء کو چھوڑ کر Mr. F. Sills کی رہنمائی میں کام شروع کیا۔تکمیل تعمیر ہونے کے بعد بھی 1876 تک اسے نہیں کھولا گیا کیونکہ اس وقت تک اسے ٹیلی گراف کے شعبے کے لوازمات سے لیس نہیں کیا گیا تھا۔کلکتہ کی آب وہوا سے میل کھاتی یہ عمارت پالادی طرز میں ہے۔ اس کا مینارہ 120 فٹ اطالوی گھنٹہ گھر کے مماثل ہے۔ایک زمانے میں سنٹرل ٹیلی گراف آفس کافی مصروف تھا۔ رات دن کھلا رہتا تھا۔ فی الوقت یہ پوسٹل ڈپارٹمنٹ کا Returned latter یا Dead letter کا دفتر ہے۔

لال بازار پولس ہیڈ کوارٹر

19 ویں صدی کے اوائل میں واقع یہاں پر رہائشی مکانوں کو John Palmer نے خرید لیا تھا۔اس کے جس گھر پر 18-1914 کے درمیان نئی عمارت بنی ہے وہی Main Building ہے۔اس کا ڈیزائن بنگال حکومت کے آرکیٹکٹ Henry Crouch نے تیار کیا تھا جبکہ تعمیر J. C. Banerjee نے کیا تھا۔آج اس بلڈنگ میں پولس کمشنر، ڈی سی ہیڈکوارٹر، ڈی سی (ڈی ڈی) و دیگر انتظامی امور کے دفاتر ہیں۔

کلکتہ میدان

دفاعی ماہرین کے مشورے پر لارڈ کلائیو نے نئے فورٹ ولیم کے سامنے جنگلوں کو بالکل اجاڑ دیا تا کہ قلعہ کی ہر سمت سے دشمنوں پر آسانی سے بندوق چلائی جا سکے۔اس طرح ایک ہرا بھرا جنگل ایک چٹیل میدان بن گیا۔تقریباً ایک صدی تک یہ علاقہ بے شجر رہا۔1848ء میں جب لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل بن کر آئے تو میدان کی حالت بدل لی۔انہوں نے میدان کے ارد گرد قطاروں میں پودے لگوایا۔لیکن 1864 اور 1867ء کے درمیان بھیانک طوفان نے بیشتر درختوں کو اکھاڑ پھینکا۔کچھ نئے درخت لگائے گئے۔اس کے بعد میدان چمکنے لگا۔اس کے بڑے بڑے دیو قامت درختوں کی جھنڈ اور دور تک پھیلی سبز گھاسوں کی کشش قابل دید ہوگئی۔

انگریزوں کے دور میں میدان صبح کی گھوڑ سواری اور شام کی ہوا خوری کے لئے بہت مشہور تھا۔لیکن اس کا استعمال مخصوص افراد اور بہترین لباس زیب تن کرنے والوں کے لئے ہی تھا۔انگریز ضابطے میں بہت سختی برتتے تھے۔میدان میں صرف بگھیاں کی ہی رسائی تھی۔متعدد سڑکیں جو میدان کو تقسیم کرتی تھیں، انہیں فوجی پریڈ اور تقریبات کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔

آج یہ میدان ہر کسی کے لئے کھول دیا گیا ہے۔یہاں جلسے بھی ہوتے ہیں۔کبھی میدان میں کلکتہ کتاب میلہ بھی لگا کرتا تھا۔(تاریخ) ریکارڈ کے مطابق میدان کا رقبہ 025 میل یا 400 میٹر ہے۔

یہ فورٹ ولیم کا ہی حصہ ہے۔حکومت ہند کلکتہ میدان پر جائیداد کے حقوق رکھتی ہے اور کچھ خاص حصوں پر اس کا کنٹرول بھی رکھتی ہے۔۔تاہم صوبائی حکومت امن و امان، روشنی اور سڑکوں کی تعمیرات کی ذمہ دار ہے۔

شہید مینار

یہ عظیم الشان مینار Sir David Ochterlony کی یاد میں 1828ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔آکٹرلونی کی زندگی بڑی دلچسپ ہے۔پیدا امریکہ (بوسٹن) میں ہوئے لیکن برٹش آرمی میں ملازمت اختیار کی۔1816ء کی نیپال جنگ جیتنے کی وجہ سے بہت مقبول ہوئے۔ان کی شخصیت اسلام سے کافی متاثر تھی۔شاید یہ قلبی اتفاق ہے کہ جس مینار کے ذریعہ انہیں خراج عقیدت پیش کیا گیا وہ خود اسلامی طرز کا مرصع ہوگیا۔

بنیادی اعتبار سے چوکور مصری مربع طرز کا ہے۔اندام عمودی مخطط ہے۔اختتام میں دو چھجے ہیں جبکہ سرے پر ترکی طرز کی برجی ہے۔یہ مینار 152 فٹ اونچا ہے اور اس میں 218 زینے ہیں۔اس مینار کے سہارے کے لئے زمین کے اندر 8 فٹ تک سال لکڑی کے 8 2 ٹکڑے (دس انچ موٹے اور 20 فٹ موٹے) گاڑے گئے ہیں۔اس کی تعمیر پر 35 ہزار خرچ آیا تھا۔یہ قدیم یونانی طرز میں ہے۔اس کے تعمیر ساز J. P. Parker ہیں۔آزادی کے بعد 9 اگست 1969ء سے اس مینار کو شہداء سے منسوب کر دیا گیا ہے اس لئے شہید مینار کہلاتا ہے۔

راج بھون (گورنر ہاؤس)

اسپلنیڈ کے شمال میں واقع راج بھون ریاستی گورنر کی سرکاری رہائش گاہ ہے۔یہ انگریزوں کے زمانے میں گورنمنٹ ہاؤس کہلاتا تھا۔اس سے قبل یہاں ایک چھوٹا سا گورنمنٹ ہاؤس تھا جو Buckingham House کے نام سے جانا جاتا تھا۔

اس کا ڈیزائن Captain Wyalt نے ڈربی شائر کے

Kedleston Hall کے طرز پر کیا ہے۔ طرز تعمیر ایونی، رومی، یونانی او ردونسلی ایونی ہے۔ راج بھون کی کل جگہ 27 ایکڑ ہے۔ اس کا سنگ بنیاد 3 فروری 1799ء اور تکمیل 18 جنوری 1803 کا ہے۔ اس کی لاگت اس زمانے میں 71,437 اسٹرلنگ پاؤنڈ تھی۔

راج بھون کے کل 6 دروازے ہیں۔ دو مشرقی، دو مغربی، ایک جنوب اور ایک شمالی ہے۔ مشرقی و مغربی راہداریوں پر پتھروں کے شیر بنے ہوئے ہیں جن کے اگلے پنجے کے نیچے دینار بی ہوئی دکھائی گئی ہے۔

گورنر ہاؤس میں 60 سے زائد کمرے ہیں۔ یہاں سڑکیں، تالاب اور باغات ہیں۔ ایک چھوٹا سا گولف کورس اور ایک جاپانی باغیچہ بھی ہے۔

راج بھون کا وجود لارڈ ویلسلی کے مشہور مقالے سے ہوا ہے کہ ہندوستان پر حکمرانی محلوں سے کی جانی چاہئے، ایک محسوبی گھر سے نہیں (اور) ایک شہزادے کے نظریات سے نہ کہ ململ اور فیل کے خوردہ تاجر کے خیالات سے۔

ایڈن گارڈن

تقریباً 50 ایکڑ زمین پر مشتمل ہے۔ اس باغ کی داغ بیل لارڈ آکلینڈ کی دو بہنوں Emily Eden اور Fanny Eden نے 1838ء میں رکھا تھا۔ اسی لئے اس کا نام Eden Garden ہے۔ 1841ء میں تزئین کار Capt. Fitzgerald نے اس کی نوک پلک سنواری۔ یہاں کی دو چیزیں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہاں کا برمی پگوڈا جو ایک چھوٹے پل کے قریب واقع ہے، 1854ء میں برما پر فتحیابی کے بعد نشانی کے طور پر لارڈ ڈلہوزی کے حکم پر اسے برما سے منگوا کر 1856ء میں یہاں رکھا گیا۔ زمانہ کے برد وبار میں اصل ڈھانچہ کمزور ہو گیا تو 1960ء میں اس کی نقل تیار کی گئی۔ یہاں کے Band-Stand میں کبھی فوجی دھن بجاتے تھے۔ پاس ہی ایک اسٹیڈیم ہے جسے 1864ء میں بنایا گیا اسے ایشیا کا لارڈز کا میدان بھی کہا جاتا ہے۔

فورٹ ولیم

کلکتہ میدان کے مغربی پڑاؤ میں واقع یہ قلعہ اٹھارہویں صدی کی فرانسیسی فوجی فن سازی کا بہترین نمونہ دنیا کے بہترین قلعوں میں سے ایک ہے جو 1773ء میں مکمل ہوا۔ اسکی تعمیر میں 16 برس لگے۔ کل اخراجات دو ملین اسٹرلنگ تھا۔ ایک ستارے کی شکل میں بنا قلعہ قریب 5 میل کا رقبہ رکھتا ہے۔ اس کے ساحلوں کو دریائی لہروں سے بچانے کے لئے دریا تک اس کا چین سسٹم ہے۔ اس زمین دوز قلعہ کے 7 دروازے الگ الگ نام کے ہیں۔ بے ترتیب ہشت پہلو والے اس قلعے کا 5 اضلاع خشکی کی طرف جبکہ 3 دریا کی جانب ہیں۔ اینٹ، گارے اور چونے کے مسالے سے مربوط اس قلعہ کا ایک لمبا، موٹا اور چوڑا اپشتہ بھی ہے۔ اس کے چاروں طرف خشک خندقیں ہیں جنہیں وقت ضرورت دریا کے پانی سے بھرا جا سکتا ہے۔ یہ قلعہ Prince William Orange سے منسوب ہے۔ اس میں دس ہزار لوگوں کی گنجائش ہے۔

ٹاؤن ہال

ایڈن گارڈن کے شمال میں ٹاؤن ہال ہے۔ 21 فروری 1804 کی ایک عوامی میٹنگ میں اہل کلکتہ نے ٹاؤن ہال بنانے کا فیصلہ کیا تھا کہ وہ فرصت کے لمحات ایک ساتھ گزار سکیں۔ کل سات لاکھ روپئے کی لاگت سے بنی اس عمارت کے نقشہ ساز Colonel John Garstin تھے۔

عمارت کے سامنے سیڑھیوں کے دونوں جانب انگریزی اور فارسی میں کتبے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لارڈ ویلسلی کے زمانے میں اس کا ڈیزائن تیار کیا گیا تھا اور لارڈ منٹو کے زمانے میں اسکی تکمیل ہوئی تھی۔

ٹاؤن ہال مکمل طور پر عوامی چندے (بذریعہ لاٹری) سے بنا ہے۔ اسے سیٹی ہال بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی تعمیر یونانی طرز میں ہے۔ شمال وجنوب جانب بڑے بڑے ستون ہیں۔ یہ ایک منزلہ عمارت ہے۔ اسکا استعمال ضیافت، مجلس، نغمہ وسرود بالخصوص بال ڈانس کے لئے ہوتا ہے۔

ٹریزری بلڈنگ

سرخ اینٹوں سے مزین اس عمارت میں ان دنوں ریاستی حکومت کے اکاؤنٹ اور آڈٹ کے شعبے ہیں۔ کلاسیکل ذوار بعہ (چوگوشہ) پلان پر مبنی ایک طرز تعمیر پالادی اور Tuscan (ایک ملک کا نام) طرز میں ہے۔ پالادی طرز تعمیر 16 ویں صدی عیسوی اطالوی ماہر تعلیم پالادی او نے ایجاد کیا تھا۔ محرابی دروازے، لامبی کھڑکیاں، کورنتھی ستون، سقف پر جوڑے قفس اور مستطیل نما اہرامی پویلین اسکی خاصی خوبیاں ہیں۔

اسمبلی ہاؤس

ٹاؤن ہال کے جنوب میں مغلائی اور یورپی طرز تعمیر کی یہ عمارت 1931 میں بنائی گئی جو وکٹوریہ میموریل کی طرح انگریزی حرف 'H' کی شکل میں ہے۔ یہاں عام لوگوں کا جانا ممنوع ہے۔

ہائی کورٹ

ٹاؤن ہال کے مغرب میں گانتھی طرز تعمیر (مغربی یورپ میں 12 ویں سے 16 ویں صدی عیسوی تک رائج تھی)۔ جس کی خصوصیت نوکدار محراب ہوتی ہے، میں ہائی کورٹ کی عمارت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا سنگ بنیاد مارچ 1864 ء میں رکھا گیا تھا جبکہ عمارت مئی 1872 میں بنی۔ اس کے تعمیر ساز Walter Granville ہیں۔ یہ بلجیم کے Yeper (ایک مقام) میں بنے ایک کلیسا کے گھنٹہ گھر کا ماڈل ہے۔ ہائی کورٹ کی عمارت قدیم سپریم کورٹ کی جگہ پر واقع ہے۔

ہائی کورٹ کی زمینی منزل پر ستونوں کی بہار ہے، یہ منقش ہیں۔ ہر ستون الگ الگ ڈیزائن کے ہیں۔ عمارت کے سامنے ایک بڑا مینار قریب 180 فٹ کا ہے۔

سینٹ جان چرچ

ٹریزری بلڈنگ کے شمال میں ذرا سا فاصلے پر واقع مشہور سینٹ جان چرچ ہے۔ کلیسا اور اس سے متصل جنوبی مشرقی اور شمالی زمین مہاراجہ بنو کشن بہادر نے 1783 ء میں وارن ہسٹنگز اور چرچ کمیٹی کو عطیہ کیا تھا۔ چرچ کا سنگ بنیاد 1784 ء میں وارن ہسٹنگز نے رکھا تھا۔ 1787 ء میں اس چرچ کی تعمیر Lt. James Agg نے انگلستان کے طرز پر ہے۔

اس کے احاطے میں ایک وسیع قبرستان ہے، جہاں جاب چارنک، بیگم فرانسیس جانسن وغیرہ کی قبریں ہیں۔ اس قبرستان میں Holwell Monument یا Black Hole Monument کی مشہور لاٹھ بھی ہے۔ جس پر اس واقعہ میں مارے گئے لوگوں کے نام مندرج ہیں تاہم اصل نہیں بلکہ ہم ڈیزائن ہے۔ اصل لاٹھ رائٹرس بلڈنگ کے جنوب مغرب میں تھا۔

دریا کنارے

دریائے ہگلی کے کلکتہ حصے سے بہت زمانے تک قومی اور بین الاقوامی تجارت ہوتی رہتی تھی۔ اسی لئے یہ علاقہ ایک لمبے عرصے تک کاروباری سرگرمیوں اور سماجی زندگی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ یورپی اقوام نے اس خدشات کے ساتھ اس کے آب سر پر اپنے گھروندے تیار کئے تاکہ ناگہانی صورت حال میں اسے راہ فرار کے طور پر استعمال کرسکیں۔ ان لوگوں کے لئے کھلا محفوظ مقام میدان اور ساحل تھا جسے گورنر جنرل لارڈ ہسٹنگز نے 1820 ء میں بنایا تھا کہ یورپی خواتین شام کے وقت یہاں چہل قدمی کر سکیں جہاں 19 صدی کی شروعات میں رقص و سرور اور شراب و شباب کی محفلیں سجتی تھیں۔ عیاشیوں کی انہی وجوہات کی بنا پر انگریزوں نے میدان اور آب سر میں غریبوں کا داخلہ ممنوع کر رکھا تھا۔ آب سر تک کی رسائی صرف بگھیوں تک محدود تھی۔ ہگلی ندی 17 ویں صدی میں 40/50 گز مشرق کی جانب تھی۔ 18 ویں صدی کے اختتام میں دریا نے اپنی سمت مغرب کی طرف موڑ دیا۔

گوالیار مونومنٹ

دریائے ہگلی کے کنارے واقع اسلامی طرز کی یہ مسدس یادگار ان

افسران اور اشخاص کی یاد میں تعمیر کیا گیا ہے جو 1843 کے گوالیار مہم میں جاں بحق ہوئے تھے۔ یہ لڑائی Sir Hugh Gough کی ماتحتی میں ہوئی تھی۔

اس مونومنٹ کا ڈیزائن Colonel H. Goodwyn نے تیار کیا تھا۔ اسکی تعمیر Earl of Ellenborough نے 1847ء میں کی تھی۔ اینٹ اور گارے پر مشتمل اس یادگار میں بیرونی طور پر جے پور کے سنگ مرمر کا استعمال ہوا ہے۔ اس کا گنبد پکڑے گئے دشمن فوجیوں کی بندوق کو پگھلا کر اسکی دھات سے بنایا گیا ہے۔ اس شش پہلو تعمیر کے وسط میں ایک سنگی تابوت ہے جس پر مارے گئے لوگوں کے نام مندرج ہیں۔ سیڑھیوں سے چڑھ کر ایک بڑا برآمدہ ملتا ہے جس کے سرے پر ''گنبد'' ہے۔ یہ ایک برآمدہ والا کلبہ ہے اور دریا کے کنارے ایک کلغی کی طرح کھڑا ہے۔ اس کی اونچائی 58 فٹ 6 انچ ہے۔

پرنسپ گھاٹ مونومنٹ

یہ گھاٹ ماہر شرقیات Sir James Princep کے نام سے منسوب ہے۔ کبھی اس گھاٹ کو ''قلی گھاٹ'' بھی کہا جاتا تھا۔ محترم 1819ء میں بحیثیت نائب ٹکسال کے کلکتہ آئے تھے۔ یہاں سے بنارس گئے اور اسی عہدہ پر فائز ہوئے۔ 1829ء میں وہ کلکتہ آئے وہ کلکتہ ٹکسال کے نائب ماسٹر بنائے گئے۔ اس کے علاوہ ایشیاٹک سوسائٹی کے سکریٹری بھی بنائے گئے۔ پرنسپ پہلے مہندس تھے جنہوں نے ہندوستان کی دو شروعاتی اسکرپٹ Brahmi اور Kharosti کی تحریروں کو پڑھ لیا تھا۔ یہ دونوں اشوک اعظم کے دور کی رموزی عبارتیں ہیں جو پتھروں پر کندہ ہیں۔ یہ تحریریں شاہی فرمان ہوا کرتی تھیں۔ 1838ء میں یہ بندہ انگلستان واپس ہوا جہاں 22/اپریل 1840ء کو انتقال کیا۔

اہل کلکتہ نے 12 ہزار روپئے کا عوامی چندہ کر کے 1841ء میں دریائے ہگلی کے کنارے ایک یادگار تعمیر کی۔ اس زمانے میں معزز شخصیتیں اسی گھاٹ کا استعمال اپنے سفر کے لئے کرتی تھیں۔ اس کا ڈیزائن Captain Fitzgerald نے تیار کیا تھا۔ یہ قریب 40 فٹ کی اونچائی رکھنے والا مستطیل عمارت ہے۔ اس کے ارکان ایونی طرز میں ہیں جبکہ محرابی دار داخلے اور کھڑکیاں پالادی طرز میں ہیں۔

اوٹرم گھاٹ

یہ گھاٹ Sir James Outram سے منسوب ہے۔ انہوں نے انگریزی فوج کی طرف سے متعدد معرکوں میں حصہ لیا تھا۔ بالخصوص مغربی ہندوستان اور افغانستان میں۔ ان کے ہی مشورے پر لارڈ ڈلہوزی نے اودھ کے نواب واجد علی شاہ کو تخت سے بے دخل کر دیا تھا۔ 1857ء کی آزادی کی لڑائی کو انہوں نے کئی محاذ پر کچلا تھا۔ یہ گھاٹ 1911ء کا بنا ہوا ہے۔ یہ گھاٹ برما اور ملیشیا جانے کے لئے ایک لنگر گاہ تھا۔

پہلے کلکتہ سے حجاج کرام اسی اوٹرم گھاٹ سے جدہ کے لئے روانہ ہوتے تھے۔ اس گھاٹ کے نیچے گودام تھا اور اوپری منزل پر ایک ریستوراں تھا۔

بابو گھاٹ

یہ جان بازار کے بابو راج چندر داس کے نام پر بابو گھاٹ کہلاتا ہے۔ یہ رانی راش مونی کے شوہر تھے۔ رانی وطن کے جذبے سے سرشار تھی۔ کئی بار انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی مخالفت کی تھی۔ جب کمپنی نے کلکتہ کے آب رخ پر مچھیروں پر پابندیاں لگائیں تو انھوں نے دریا کنارے کا کچھ حصہ لیز پر لیا اور مچھیروں کو مچھلیاں پکڑنے کی اجازت دیدی۔ مزید انتقام لیتے ہوئے انہوں نے اپنے علاقے میں سرخ سگنل لگا دیا اور کمپنی کے جہازوں کو اپنے علاقوں سے گزرنے کی ممانعت کر دی۔ یہ گھاٹ قدیم یونانی طرز میں ہے۔

ہوڑہ پل

آج جس جگہ ہوڑہ پل ہے وہاں پہلے لکڑی کا پل تھا۔ 1937ء

میں موجودہ پل کی تعمیر شروع ہوئی۔ شروع میں کام بہت سست رفتاری سے کے ساتھ چل رہا تھا کہ دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوگیا۔ کام میں اتنی تیزی لائی گئی کہ بقیہ دو برس میں مکمل ہوگیا۔ عام طور پر کسی پل، عمارت، نمائش کے انعقاد کے لئے رنگا رنگ تقریب منعقد ہوتی تھی۔ جنگ نے یہاں سب کچھ اتھل پتھل کردیا تھا۔ 1943ء میں اسے یونہی بغیر کسی تقریب کے کھول دیا گیا تھا۔ حقیقت میں یہ امریکی فوجیوں کا دباؤ تھا کہ وہ ہتھیار اور سپاہیوں کو برما روانہ کرنے کے لئے آسام پہنچانا چاہتا تھا اور اسے بہتر راستے کی ضرورت تھی۔ پورے طور سے فولاد پر مبنی یہ پل چابی سسٹم پر بنا ہوا ہے۔ اس پل، جسے اب رابندر سیتو کہا جاتا ہے، کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کوئی بھی حصہ دریا کو چھوتا نہیں ہے۔ اس پل پر اس زمانے میں تقریباً 60 لاکھ خرچ ہوا تھا۔ اس کی اونچائی 97 میٹر (295 فٹ) اور 705 میٹر لمبائی (2150 فٹ) ہے۔

رائل منٹ (شاہی ٹکسال)

اسے کلکتہ منٹ بھی کہا جاتا ہے اور اپنے زمانے میں یہ دنیا کا سب سے بڑا ٹکسال تھا۔ اس کی عمارت کا سنگ بنیاد 31 مارچ 1824 کو رکھا گیا تھا۔ اس کے معمار William Forbes ہیں۔ اس عمارت کا مرکزی حصہ اتھینز شہر کے Temple of Minerva کی ہوبہو شکل ہے۔ متعدد ارکان والا یہ شاہکار یونانی طرز میں ہے۔ یہ یکم اگست 1829ء کو مکمل ہوا۔ یہیں پر ایک Silver Mint بھی ہے۔

ودیا ساگر پل

دریائے ہگلی پر ایک دوسرا بڑا پل ہے جو ودیا ساگر کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ہندوستان کا پہلا کیبل پل اور دنیا کا تیسرا سب سے بڑا پل ہے۔ ہوڑہ کو کلکتہ سے جوڑنے والا یہ پل چار دمدار ستونوں پر کھڑا ہے۔ 152 مضبوط تاروں سے بنا یہ پل 457 میٹر لمبا ہے جسے متعدد فلائی اوور سے مربوط کیا گیا ہے۔ 20 مئی 1972ء کو اس کا سنگ بنیاد وزیر اعظم اندرا گاندھی نے رکھا تھا جبکہ اس کا افتتاح 10 اکتوبر 1992ء کو وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے کیا تھا۔ عوام کے لئے اسے 12/اکتوبر 1992ء کو عوام کے لئے کھولا گیا۔ اس پر 388 کروڑ صرفہ آیا۔

نیو مارکیٹ

کلکتہ میں پہلا میونسپل بازار کا اعلان یکم جنوری 1874ء کو ہوا۔ اس زمانے میں اس علاقے میں بازاروں کی بھرمار تھی۔ سوسائٹی سنیما سے لے کر چاندنی تک بازار ہی بازار تھے۔ یہاں ایک نیا اور پہلا میونسپل بازار بنتے ہی لوگوں نے اسے نیو مارکیٹ کہنا شروع کردیا جو آج بھی رائج ہے۔ اس مارکیٹ کا ڈیزائن R.R. Bayne نے تیار کیا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے معمار تھے۔ تعمیر Burn & Co. نے کی تھی۔ عمارت سازی کا کل خرچ 258720 روپئے ٹھہرا تھا جبکہ زمین کو تحویل میں لینے کے لئے 218000 روپئے الگ ادا کرنا پڑا۔ 2 ستمبر 1903 کو اس کا آفیشیل نام Sir Stuart Hogg Market پڑا جو جسٹس آف پیس کے چیئر پرسن اور اس بازار کو بنوانے میں آلہ کار تھے۔

انڈین میوزیم

ایشیاٹک سوسائٹی میں چند برسوں کے اندر آثار قدیمہ سے منسلک اشیاء کثیر تعداد میں جمع ہو گئے تو اس کا رکھنا ایک مسئلہ ہو گیا۔ 1858ء تک سوسائٹی کے پاس اپنے میوزیم کی وسعت میں گنجائش نہیں رہیں۔ 1862ء میں حکومت نے ایک میوزیم بنانے کا فیصلہ کیا۔ 1866ء میں انڈین میوزیم ایکٹ پاس ہوا۔ 1875ء میں Walter B. Granville کے ڈیزائن پر موجودہ تعمیر کی گئی جس پر 21 لاکھ کا خرچ آیا۔ 1878ء میں میوزیم کو عوام کے لئے کھول دیا گیا۔ یہ میوزیم عوام میں جادو گھر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

داخلے کا برآمدہ والا ستون دار حصہ اور دونوں بازو کورنتھی طرز تعمیر میں ہے۔ وافر اونچائی والی دومنزلہ عمارت جو آنگن سے متصل ہے، اطالوی

طرز میں ہے۔ چمن زار چوگوشہ آنگن 80x105 فٹ ہے۔

ایشاٹک سوسائٹی

پارک اسٹریٹ میں واقع ایشیاٹک سوسائٹی کو Sir William Jones نے قائم کیا تھا۔ اس کی اصل عمارت 1808ء میں تیار کی گئی تھی۔ موجودہ عمارت کے عقب میں اس کی پرانی بلڈنگ واقع ہے۔ سامنے کا ڈھانچہ 1965ء میں بنا ہے۔ اس سوسائٹی کی اپنی لائبریری اور اپنا میوزیم ہے۔ اس کی بدولت انڈین میوزیم کا قیام عمل میں آیا۔

وکٹوریہ میموریل

یہ میدان کے جنوب میں واقع ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کی یاد میں تعمیر اس عمارت کا ڈیزائن Sir William Emerson نے بنایا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد ویلس کے شہزادے جیورج پنجم نے 1906ء میں رکھا تھا جبکہ اس کا افتتاح 28 دسمبر 1921 کو ہوا تھا۔ اسے بیسویں صدی کا تاج محل بھی کہا گیا ہے۔ کل ملا کر یہ عمارت 288x338 فٹ ہے۔ مرکزی گنبد پر Angel of Victory ہے جسے کلکتہ کے لوگ پری کہتے ہیں، اس کو شامل کریں تو وکٹوریہ میموریل 200 فٹ اونچا ہے۔ پوری عمارت 80300 ٹن ہے۔ اس کے گرد پھیلے باغات کا ڈیزائن Lord Redesdale اور Sir David Prain نے تیار کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وکٹوریہ میموریل میں جتنے لوازمات لگے ہیں انہیں بیک وقت ڈھویا جائے تو 17 میل والی مال گاڑی کی ضرورت پڑے گی۔

سینٹ پال کیتھڈرل

وکٹوریہ میموریل کے مشرق میں اور تارہ منڈل کے بالکل جنوب میں ایک معرکتہ الآرا کلیسا واقع ہے، جسے زمانہ St. Paul Cathedral کے نام سے جانتا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد 1839ء میں رکھا گیا تھا اور 1847ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اسی سال 8 اکتوبر کو اسے مشرق کا پہلا Episcopal Church کی حیثیت دی گئی۔ 29 نومبر 1970ء تک اس نے ہندوستان، پاکستان، برما اور سری لنکا مملکت کے لئے Mother Church اور Metropotical Church کی خدمات انجام دی ہیں۔

یہ گرجا ہند اور گاتھی طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ اس کے معمار Major W.N. Forbes تھے۔ انہوں نے اسے Norwich Cathedral کے طرز پر بنایا تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کی اس انمول عمارت جسے Great East Window کہا جاتا تھا، بادشاہ جیورج سوم نے اس چرچ کو تحفے میں دیا تھا۔ یہ عمارت 1864ء کے طوفان میں اس قدر تباہ ہوئی کہ مرمت کے لائق بھی نہ رہی۔

1897ء کے زلزلے میں اس کلیسا کی مخروطی چوٹی گر گئی تو اس کی مرمت کر دی گئی لیکن 1934ء کے زلزلہ میں تو یہ بالکل منہدم ہوگئی۔ آخر کار 1938ء میں Canterbury Cathedral کے Henry Tower کی مماثلت سے ایک چوٹی بنائی گئی جو آج بھی ہے۔ اس کی لمبائی بالترتیب 247x81 فٹ اور 201 فٹ اونچائی ہے۔ نئے مخروطی چوٹی کے معمار Mr. William Ingram Keir ہیں۔ دونوں معماروں کی تصویریں اندرون چرچ میں موجود ہیں۔

کلکتہ کا یہ چرچ عمارتی لحاظ سے کافی بڑا ہے جس کے چاروں طرف وسیع مرغزار اور قدیم درختوں کے جھنڈ ہیں۔

اکیڈمی آف فائن آرٹس

سینٹ پال کیتھڈرل سے منسلک جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے شہرہ آفاق اکیڈمی آف فائن آرٹس کی عمارت ملتی ہے۔ اس دو منزلہ تعمیر کا بیشتر حصہ سرخی مائل پکی ہوئی مٹی سے بنائی گئی ہے۔ قدیم بنگال طرز کی اس عمارت میں میوزیم، نمائشی گیلری، کانفرنس روم اور آڈیٹوریم ہے۔ یہاں چھ گیلری ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کی Miniature Gallary میں دور مغلیہ کی کئی تصویریں ہیں۔ ایرانی قالین اور جائے نماز

بھی ہیں۔

اکیڈمی آف فائن آرٹس کو 1933ء میں محترمہ رانو مکھر جی نے بنوایا تھا جو رابندر ناتھ ٹیگور کی منہ بولی بیٹی اور شاگردہ تھیں۔ اس کی زمین تقریباً 7 بیگھہ ہے۔

نیشنل لائبریری

کلکتہ میں 1891ء میں ایک امپریل لائبریری قائم کر کے اس وقت کی تمام Secretariate Libraries کو اس میں کر دیا گیا۔ جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی، فورٹ ولیم اور ایسٹ انڈیا بورڈ (لندن) کی لائبریریاں ضم کی گئی تھیں۔ یہ لائبریری مرکزی وصوبائی حکومت کے افسروں کے لئے مختص تھی تاہم دوسرے عہدے داروں کو حکومت کی انتظامیہ کی اجازت کی ضرورت پڑتی تھی۔ شروع میں یہ لائبریری میٹکاف ہال میں تھی۔ اس کے بعد Military Secretariate Building میں منتقل ہوئی۔ جنگ کے زمانے میں اسے سنٹرل ایونیو میں Jaba Kusum House میں منتقل کیا گیا۔ اس کے بعد پھر ملیٹری سکریٹریٹ میں واپس لائی گئی۔ اس کے بعد موجودہ جگہ Belvedere میں منتقل کی گئی۔ آزادی کے بعد اس کی گولڈن جبلی کے موقع پر یکم فروری 1953 وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھوں اسے نیشنل لائبریری کر دیا گیا۔ سال کے 362 دن (سوائے 26 جنوری، 15 اگست اور 2 اکتوبر) یہ کھلی رہنے والی لائبریری Belvedere Estate کی 30 ایکڑ زمین پر ہے

بیلویڈر

نیشنل لائبریری میں واقع بیلویڈر کی بڑی تاریخی حیثیت ہے۔ 1700ء کے آس پاس اس محل کو اورنگ زیب کے پوتے عظیم الشان نے بنوایا تھا جب وہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے صوبیدار تھے۔ یہ ان کی گرمیوں کی رہائش گاہ تھی۔ دستاویزات کے مطابق 1778 یا 1780 میں اسے Major Tolly کو 12 سال کی لیز پر دیا گیا تھا۔ جس میں لیز کی میعاد مزید 12 بڑھانے کا بھی اشارہ تھا۔ ٹالی 1784 میں ملازمت سے استعفٰی دیکر انگلستان کے لئے روانہ ہوا، لیکن راستے میں St. Helena کی جگہ پر اسکی موت ہوگئی۔ اس کی موت کی خبر کلکتہ پہنچی تو یہاں بیلویڈر کو فروخت کرنے کے لئے ایک اشتہار دیا گیا۔ تاہم یہ گھر کسی نہ کسی طرح وارن ہسٹنگز کے گھر والوں کے ہاتھ میں رہا۔ 1798ء میں یہاں پر عمارتوں کے لئے اسے بخرہ کئے جانے کا اعلان ہوا۔ 1802 میں اسے عوامی نیلامی کے ذریعہ فروخت کئے جانے کا اعلان کلکتہ گیزٹ میں ہوا۔ اس وقت اس گھر کی پیمائش تقریباً 72 بیگھہ 8 کٹھہ اور 4 چھٹاک تھی اور یہ کہا گیا کہ اس گھر پر William Augustus Brooke کا قبضہ لیز کے طور پر ہے۔ اس کے بعد اسے چارلس پرنسپ نے خرید لیا مگر یہ محل اسے بھی راس نہ آیا۔

پرنسپ فیملی نے یہ گھر James Mackillap سے خریدا تھا اور 1854 میں اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا، اس وقت اس کی پیمائش 24 ایکڑ تھی۔ اس کے بعد یہاں لیفٹیننٹ گورنر آف بنگال سرکاری طور پر استعمال کرنے لگے۔ جب انگریزوں کی راجدھانی دہلی منتقل ہوئی تو یہ محل وائسرائے کی رہائش گاہ بن گیا۔

ایگری ہورٹی کلچرل سوسائٹی آف انڈیا

جہاں نیشنل لائبریری کا احاطہ ختم ہوتا ہے وہیں سے Agri-Horticultural Society of India کا باغیچہ شروع ہوتا ہے۔ یہ کلکتہ کا نفیس ترین باغ ہے۔ 21 ایکڑ سے زائد زمین پر پھیلا ہوا یہ باغ زراعتی اور باغبانی کی عظیم یادگار ہے۔ اسے Rev. Dr. William Carey نے 1820 میں بنایا تھا۔ اس کا مقصد ہندوستان میں زراعتی اور باغبانی کی ترقی تھا۔ اسے 1900 تک مرکزی حکومت Defacto Agricultural Ministry کے طور پر رہنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس سوسائٹی کی جانب سے 1828ء میں پورے ملک

میں پہلی بار پھولوں اور سبزیوں کی نمائش ہوئی تھی۔ 1837ء میں ملک کا پہلا زراعتی رسالہ بھی یہیں سے شائع ہوا تھا۔

مہاجتی سدن

اس کے قیام کا فیصلہ نیتا جی سبھاش چندر بوس نے 1937ء میں جیل سے طویل مدتی قید سے رہائی کے فوراً بعد کیا تھا۔ جس کے لئے سب سے پہلے سبھاش کانگریس فنڈ کمیٹی بنی۔ بعدازاں نیتا جی نے اس مجوزہ سدن کے لئے کلکتہ کارپوریشن سے زمین کا ایک پلاٹ لیز پر حاصل کیا۔ اس کی تعمیر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کی کامیابی کے لئے لوگوں سے تعاون کی اپیل کی۔

اس کا سنگ بنیاد 19 اگست 1939ء کو رابندر ناتھ ٹیگور نے رکھا تھا۔ اس وقت نیتا جی کلکتہ کارپوریشن کے میئر تھے۔ اسے ''قوم کا گھر'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی تعمیر کا مقصد مجاہدین آزادی کی یادگاروں کو محفوظ رکھنا تھا۔ 1940ء میں تعمیری کام کی ابتدا ہوئی تھی لیکن 1941ء میں نیتا جی کی روپوشی کی وجہ سے کام روک دیا گیا۔

آزادی کے بعد ریاستی حکومت نے مہاجتی سدن ایکٹ 1949 پاس کیا۔ اس کے بعد کام کی شروعات ہوئی۔ ڈاکٹر بدھان چندر کے ہاتھوں 19 اگست 1958 کو اس کا افتتاح ہوا۔ یہ ایک بیگھہ، 19 کٹھہ 4 چھٹاک اور 34 مربع فٹ پر ہے۔

مہاجتی سدن کے شمال جنوب میں جنگ آزادی کے سرفروشوں کی مٹی کی مورتیاں پورے مناظر کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

ماربل پیلیس

مہاجتی سدن کے آگے 46 نمبر مکتا رام بابو اسٹریٹ پر ماربل پیلیس واقع ہے۔ 12 ایکڑ زمین پر مشتمل اس کے احاطے میں چڑیا گھر، جھیل، جھرنے، مندر رہائش گاہ اور میدان بنے ہوئے ہیں۔

سنگ مرمر کا محل دراصل ایک نجی رہائش گاہ تھی۔ نیل موتی ملک نے جگن ناتھ دیوتا کا مندر یہاں 1821ء میں بنایا تھا۔ یہ مندر اس احاطے کے شمال مغرب میں واقع ہے جہاں سوائے ممبروں کے کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔

نیل مدن ملک کے پوس پالک بیٹے راجندر ملک نے اس محل کی تعمیر 35-1830ء کے درمیان کی تھی۔ اس میں مختلف قسم کے 126 سنگ مرمر کا استعمال ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ 5 ہزار کاریگروں نے پانچ سال کی مدت میں اسے مکمل کیا۔ اس کا طرز تعمیر گورنتھی ہے۔ اس محل میں قدآور سنگ مرمر کے نیم برہنہ مجسمے اور مشہور مصوروں کے خاکے ہیں۔

یہاں زمانہ قدیم کی 82 نادر گھڑیاں ہیں، کئی خوبصورت چینی خاک دان ہیں جس میں مردوں کی راکھ رکھی جاتی تھی۔ اس محل کی خوبی یہاں پر رکھے گئے زروجواہرات سے بھی جو دنیا کے 90 ممالک سے منگائے گئے ہیں۔ یہاں کا چڑیا خانہ 1856 کا بنا ہوا ہے۔

جوڑا گرجا

گاتھی طرز تعمیر والا یہ کلیسا اپنے جوڑے میناروں کی وجہ سے عوام میں جوڑا گرجا کے نام سے مشہور ہے۔ اصل میں یہ St. James Church ہے۔ اس سے قبل ایک قدیمی سینٹ جیمس چرچ دھرمتلہ اور بیٹھک خانہ کے درمیان تھا۔ جس کی چھت 1858ء میں گرگئی تھی اور یہ پھر کھنڈروں میں تبدیل ہوگیا تھا۔ اس کے بعد سے ہی ایک نئے چرچ کی تعمیر کے لئے جگہ کی تلاش ہونے لگی۔ اس طرح یہ موجودہ جگہ پر تعمیر ہوا۔

7 جون 1862 کو لیفٹیننٹ گورنر نے چرچ ودرسگاہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ 25 جولائی 1864ء کو سینٹ جیمس ڈے کے موقع پر چرچ کی تعمیر شروع ہوئی۔ یہ کلیسا کلکتہ کے بڑے کلیساؤں میں سے ایک ہے۔ اس کلیسا کا ڈیزائن Mr. C.G. Wary نے تیار کیا تھا۔ دیواروں کے بیس فٹ تیار ہونے تک انکی رہنمائی میں کام ہوا۔ بقیہ تعمیر سرکاری آرکیٹکٹ Walter Granville کی نگرانی میں ہوئی جنھوں نے اصل ڈیزائن

میں کافی ردوبدل کیا۔ زمین کی قیمت چھوڑ کر کل خرچ تقریباً 2 لاکھ روپے آیا تھا جو سرکاری کھاتے سے ملا۔ پلان کے مطابق مغربی جانب ایک جوڑا (128 فٹ) مینار والا یہ چرچ صلیب نما ہے۔ آگے دو خاص صدر جنوب و مغرب سے ہیں۔

ناخدا مسجد

زکریا اسٹریٹ میں واقع ناخدا مسجد کی دو الگ الگ تاریخ ہے۔ موجودہ مسجد کی جگہ پہلے ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد کی جگہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے دیوانی مقدمات کے وکیل منشی امین الدین کی حویلی تھی۔ ان کا شمار رؤسا میں ہوتا تھا۔ رندومشرب کے شیدا تھے۔ لیکن ان کی حویلی سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ 1814ء میں کلکتہ میں سلسلہ نقش بندیہ کے شیخ طریقت حضرت مولانا سید احمدؒ کی کلکتہ تشریف آوری ہوئی تو انہوں نے ان کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ جاتے جاتے پیرومرشد نے اپنی دستار فضیلت ان کے سر پر رکھ دیا۔ بس پھر کیا تھا، عشق الٰہی کا ایسا رنگ چڑھا کہ زندگی زہد وتقویٰ میں بدل گئی۔ بہت بڑی جائیداد اور حویلی کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ اپنے بھانجے منشی حسن علی کو اس کا متولی بنایا اور خود گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ وصیت کی کہ ان کی حویلی کو خانہ خدا بنایا جائے۔ ان کی وفات 1852ء کے بعد ان کے بھانجے نے وصیت پر عمل کیا۔ اس طرح ایک مسجد کی تعمیر ہوئی۔ اس زمانے کے مشہور عالم دین مولانا خیرالدینؒ (مولانا آزاد کے والد بزرگوار) ہر جمعہ کو اس مسجد میں بصیرت افروز تقریر کرتے تھے۔ مسجد سے متصل دارالعلوم کے نام سے ایک دینی مدرسہ بھی قائم کیا گیا تھا۔

منشی حسن علی کے انتقال کے بعد ان کی بہن شمس النساء بیگم اس کی متولیہ ہوئیں جو مولانا خیرالدینؒ کی مرید تھیں۔

دن بدن نمازیوں کی تعداد بڑھتی گئی تو مسجد تنگ دامن کی شکار ہونے لگی۔ اس طرح ایک اور بڑی مسجد کی منصوبہ بندی کی جانے لگی۔ اس زمانے میں اس علاقے میں میمن مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی، جو اہل ثروت تھے۔ انہوں نے شرط رکھی کہ اگر مسجد کی پوری ذمہ داری انہیں سونپ دی جائے تو وہ یہاں پر ایک عالیشان جامع مسجد کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ مولانا نے شمس النساء کو اس بات کے لئے راضی کرلیا کہ وہ مسجد اور اسکی ملحقہ جائیداد کی تولیت سے دست بردار ہو جائیں۔ اس طرح اس کی تولیت میمن برادری کو منتقل ہوگئی۔

پوری زمین تقریباً 2 بیگھہ ہے۔ مسجد کا ڈیزائن ایس کمار (اے ایم آئی ایس، لندن) نے تیار کیا۔ مسجد چھ برس میں 1927ء کو پایہ تکمیل تک پہنچی اور اخراجات قریب 15 لاکھ روپے آئے۔ میمن مسلمانوں کے جہاز کے کاروبار سے وابستگی کی بنا پر اسے ''ناخدا مسجد'' کا نام دیا۔ اس کا صدر دروازہ فتح پور سیکری میں واقع شہنشاہ اکبر کے بنوائے ہوئے بلند دروازے سے مشابہت رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا وضوخانہ قاہرہ کی ایک مسجد کے وضوکانے سے ملتا جلتا ہے۔ تین بڑے بڑے گنبد دہلی کی جامع مسجد کے طرز پر ہیں۔ اس کے دو بڑے مینار 151 فٹ کے ہیں۔ پوری مسجد کی تعمیر پتھروں سے کی گئی ہے۔ اندرون جانب نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔

ٹیپو سلطان مسجد

حضرت ٹیپو سلطانؒ کی شہادت کے بعد 12 شہزادگان میسور کو کلکتہ لایا گیا تھا۔ ان میں فتح حیدر سلطان، عبدالخالق سلطان، محی الدین سلطان، معزالدین سلطان، محمد یٰسین سلطان، محمد سبحان سلطان، شکراللہ سلطان، سرورالدین سلطان، جامع الدین سلطان، منیرالدین سلطان، محمد سلطان اور احمد سلطان ہیں۔ محمد سلطان غلام محمد کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے والد کی شہادت کی وقت ان کی عمر صرف 3 برس تھی۔ انہوں نے ٹالی گنج میں واقع مسجد ٹیپو سلطان اور امام باڑہ کو 1835 جبکہ دھرمتلہ میں واقع ٹیپو سلطان مسجد کو 1842ء میں تعمیر کروایا تھا۔

۞۞۞

چوبیسویں اجلاس عام جے پور سے پچیسویں اجلاس کولکاتا تک

بورڈ کی سرگرمیوں کا مختصر خاکہ

مرتب: ڈاکٹر محمد وقار الدین لطیفی ندوی

نمبرشمار	نوعیت پروگرام	تعداد	کیفیت
۱	مجلس عاملہ	۳	۷/جون ۲۰۱۵ء بمقام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۹/دسمبر ۲۰۱۵ء بمقام میسکو پبلک اسکول امروہہ ۱۲/اپریل ۲۰۱۶ء بمقام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲	دارالقضا کمیٹی میٹنگ	۲	(۱)۱۶/اگست ۲۰۱۵ء بمقام بورڈ آفس دہلی (۲)۳۰/ستمبر ۲۰۱۶ء بمقام مرکزی دفتر بورڈ نئی دہلی
۳	تربیت قضا کیمپ	۲	(۱) یکم تا ۳/دسمبر ۲۰۱۵ء کو گوونڈی ممبئی مہاراشٹر (۲) ۵/تا ۷/اپریل ۲۰۱۶ء کو جامعہ شاہ ولی اللہ مظفر نگر یوپی
۴	نئے دارالقضاء کا قیام	۶	(۱) ۲۵/اگست ۲۰۱۶ء جالنہ مہاراشٹر (۲) ۲۶/اگست ۲۰۱۶ء ناندیڑ مہاراشٹر (۳) ۲۵/جنوری ۲۰۱۶ء بھنڈارہ مہاراشٹر (۴) ۵/مارچ ۲۰۱۶ء منیر ضلع بلیا یوپی (۵) ۲/اکتوبر ۲۰۱۶ء رتناگیری مہاراشٹر (۶)۱۶/اکتوبر ۲۰۱۶ء راجیونگر منڈولی، دہلی
۵	تفہیم شریعت کمیٹی میٹنگ	۲	(۱) ۱۶/اگست ۲۰۱۵ء دہلی (۲) ۱۵/اکتوبر ۲۰۱۶ء دہلی
۶	تفہیم شریعت کمیٹی پروگرام ورکشاپ	۶	(۱) ۲۸/۲۹/نومبر ۲۰۱۵ء دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور (۲) ۵/اپریل ۲۰۱۶ء سیتامڑھی (بہار) (۳) ۱۰/اپریل ترچی (تملناڈو) (۴) ۲۱/اگست ۲۰۱۶ء علی گڑھ (۵) ۲۹/۳۰/اکتوبر گوا (۶) ۵/۶/نومبر ۲۰۱۶ء دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۷	لیگل سیل میٹنگ	۶	۲۰/مارچ ۲۰۱۶ء بمقام نیو ہورائزن اسکول، حضرت نظام الدین، نئی دہلی ۹/جولائی ۲۰۱۶ء بمقام ہوٹل تاج، نئی دہلی ۲۴/جولائی ۲۰۱۶ء بمقام انڈیا انٹرنیشنل سینٹر نئی دہلی ۱۹/اگست ۲۰۱۶ء بمقام ہوٹل تاج، نئی دہلی ۲۰/اگست ۲۰۱۶ء بمقام انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر نئی دہلی ۷/ستمبر ۲۰۱۶ء بمقام حضرت نظام الدین نئی دہلی
۸	سکریٹریز و کنوینرس میٹنگ	۱	یکم و ۲/اگست ۲۰۱۵ء بمقام مرکزی دفتر بورڈ دہلی
۹	مجلس عمل میٹنگ	۱	یکم نومبر ۲۰۱۵ء بمقام مرکزی دفتر بورڈ دہلی
۱۰	خبرنامہ کی تعداد	۵	خبرنامہ کی کل تعداد ۶/ ہے جسمیں یہ مشترکہ شمارہ شامل ہے۔
۱۱	مرحومین	۱۹	۱۲/اساسی ارکان بورڈ اور ۷/میقاتی ارکان بورڈ
۱۲	دین اور دستور بچاؤ تحریک کے اجلاس		ملک کے مختلف صوبوں میں سو سے زائد مقامات پر بڑے اجلاس منعقد ہوئے اور دو سو سے زائد مقامات پر ملک بھر میں چھوٹے چھوٹے اجلاس منعقد ہوتے رہے اور ان اجلاس کی تمام روداد خبرنامہ کے مختلف شماروں میں شائع ہوتی رہیں۔

یہ دو شماروں پر مشتمل ہے اسمیں مسلم پرسنل لا بورڈ کے پچیسویں اجلاس عام کا ایجنڈا علیحدہ سے شامل ہے۔ حالیہ دنوں میں بورڈ کی طرف سے کی جانے والی سرگرمیوں کے خاکے کا چارٹ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا، آئندہ کی سطروں میں دین اور دستور بچاؤ، اصلاح معاشرہ کمیٹی برائے خواتین اور دستخطی مہم کے سلسلہ کی جانے والی کوششوں کی تفصیل پیش کی جارہی ہیں۔

دین اور دستور بچاؤ تحریک برائے تلنگانہ وآندھرا پردیش:

● مؤرخہ ۱۹مارچ ۲۰۱۶/ کو تلنگانہ کے ایک اہم شہر نرمل ضلع نظام آباد میں اجلاس عام ہوا، اس اجلاس میں حیدرآباد سے مسلمانوں کے مختلف مسالک، جماعتوں اور تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی اور مقامی طور پر بھی تمام مسالک اور تنظیموں نے حصلہ لیا، یہ اجلاس موانا خالد سیف اللہ رحمانی کے زیر صدارت منعقد ہوا، محترم جناب رحیم الدین انصاری نے قرارداد پیں کی، جناب حامد محمد خان امیر جماعت اسلامی تلنگانہ نے تلگو زبان میں خطاب کیا، وامن میشرام اوران کے بعض رفقاء نیز سکھ، عیسائی اور بدھسٹ نمائندوں کی بھی تقریر ہوئی، اجلاس کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں دلتوں کی بھی اچھی خاصی تعداد سامعین میں شامل تھی۔

● مؤرخہ ۲۱/ اپریل ۲۰۱۶ء کو تلنگانہ کے اہم شہر ’ورنگل‘ میں اجلاس عام ہوا، جناب رحیم الدین انصاری جوائنٹ کنویز نے اجلاس کی صدارت کی، جناب سید اسدالدین اویسی ممبر پارلیمنٹ نے خصوصی خطاب کیا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے کلیدی خطبہ دیا، ورنگل کے علاقہ کی مشہور درگاہ آستانۂ حضرت شاہ افضل بابا بیابانی قاضی پیٹ، سجادہ نشیں جناب خسرو پاشا سابق صدر ورکن بورڈ نے استقبالیہ کلمات کہے، حیدرآباد کے ارکان مسلم پرسنل لا بورڈ اور مختلف مسالک کے نمائندے شریک ہوئے، دلت، عیسائی، بدھسٹ اور سکھ رہنماؤں نے بھی خطاب کیا، اس پروگرام کو ترتیب دینے میں مولانا محمد فصیح الدین قاسمی اور شہر ورنگل کی نمائندہ شخصیتوں نے بڑی محنتیں کیں اور تعلقہ جات کی سطح تک پیغام کو پہونچایا۔

● مؤرخہ ۷/ اپریل ۲۰۱۶ء کو آندھرا پردیش میں سب سے بڑی آبادی کے حامل شہر کرنول میں حضرت مولانا مفتی اشرف علی باقوی امیر شریعت کرناٹک کے زیر صدارت عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، یہاں تک کہ شہر کا سب سے بڑا میدان جنگ پر گیا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے کلیدی خطبہ دیا، جناب وامن مشیرام صاحب کا خطاب ہوا، نیز مختلف مذاہب، مسلمانوں کے مختلف مسالک اور تنظیموں کے نمائندوں نے اختصار کے ساتھ گفتگو کی، خود کرنول کے برادران اسلام کا تاثر تھا کہ اس شہر میں ملی وحدت کا ایسا منظر اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا، صدارتی خطاب اور صدر محترم کی دعا پر اجلاس ختم ہوا۔

● یہ اجلاس عام تو بعد مغرب ہوا؛ لیکن ظہر کے بعد خواتین کا ایک بڑا پروگرام ہوا، جس سے مرد مقررین کے علاوہ خواتین مقررین جو بورڈ کی رکن ہیں، اور جن کا تعلق شہر حیدرآباد سے ہے، نے بھی خطاب کیا، اسی طرح عصر کے بعد پریس کانفرنس ہوئی، جس سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جناب حامد محمد خان، اور جناب اقبال احمد انجینئر کے علاوہ ڈاکٹر اسماء زہرہ نے بھی خطاب کیا، اور سوالات کے جوابات دیئے۔

● تلنگانہ اور آندھرا پردیش میں اگرچہ بڑے بڑے جلسے تلنگانہ کے تین آندھرا پردیش کے دو بڑے شہروں میں ہوئے لیکن ان شہروں میں ایسی تحریک پیدا کی گئی کہ تعلقہ جات اور قصبہ جات تک بورڈ کا پیغام پہونچ گیا، اور بہت سی جگہوں پر لوگوں نے اپنے طور پر پروگرام کئے، جہاں بھی اجلاس ہوئے، وہاں دین اور دستور کے تحفظ کی مناسبت سے قراردادیں پیش کی گئیں اور لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر ان قراردادوں کی تائید کی، اسی طرح مجمع سے ہندو مسلم اتحاد کا عہد بھی لیا گیا، نیز ان شہروں میں بھی اور مختلف تعلقہ جات میں بھی مقامی سطح پر کلکٹر اور اعلیٰ سرکاری نمائندہ کو میمورنڈم پیش کیا گیا، پریس کانفرنسیں کی گئیں اور مقامی میڈیا نے بھی اچھا کوریج دیا۔

اس تحریک کے دو بڑے فائدے ہوئے، ایک مسلمانوں میں بیداری، کہ ملک میں مذہبی آزادی اور دستور کو جو خطرہ ہے، لوگ اس سے واقف ہوئے، دوسرے: مسلمانوں، دلتوں، خاص کر مسلمان، دلت اور دوسری اقلیتوں کے رہنماؤں کے درمیان روابط استوار ہوئے، اگر ان پر مستقل طور پر توجہ دیا جائے تو مستقبل میں اس سے بڑا فائدہ ہوسکتا ہے اور فرقہ پرست تنظیمیں نفرت پیدا کرنے کی جو ناروا کوششیں کررہی ہیں، کسی حد تک ان کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

رپورٹ خواتین پروگرام

● مسلمانان ہند کے متحدہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے دین کے تحفظ اور دستوری حقوق کے تحفظ کیلئے جاری ملک گیر ’’دین و دستور بچاؤ تحریک‘‘ کے ضمن میں خواتین وطالبات کا ایکخصوصی اجلاس 21/ نومبر 2015، بروز: جمعرات، 11 بجے دن، بمقام: سوپر فنکشن ہال، رانتا پور، عنبر پیٹ، حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ اس خصوصی اجلاس کو مولانا تجمل حسین قاسمی دارالعلوم حیدرآباد کے علاوہ پروفیسر جمیل النساء صاحبہ رکن بورڈ، ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ، رکن عاملہ بورڈ، محترمہ شمیم فاطمہ صاحبہ، رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی اور محترمہ تہنیت اطہر صاحبہ رکن بورڈ نے مخاطب کیا۔ اجلاس میں 600 سے زائد خواتین وطالبات شریک تھیں۔

● خواتین و طالبات کیلئے ایک خصوصی اجلاس بعنوان ’’دین و دستور بچاؤ تحریک‘‘ بتاریخ :23/ نومبر، 2015، سفیل گوڑا، کریہ کامپلس، سکندرآباد میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کو محترمہ روحی خاں صاحبہ، رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت

کمیٹی، (برائے خواتین) اورمحترمہ میمونہ سلطانہ صاحبہ رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی (برائے خواتین) حیدرآباد نے مخاطب کیا۔250 سے زائد خواتین و طالبات نے اس اجلاس میں شرکت کی۔

● خواتین و طالبات کیلئے ایک خصوصی اجلاس بضمن ''دین و دستور بچاؤ تحریک'' بتاریخ:28/ نومبر 2015، آغاپورہ، چارقندیل ،حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کو محترمہ رقیہ فرزانہ صاحبہ، رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی اورڈاکٹر ذکیہ سلطانہ صاحبہ رکن متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی (برائے خواتین) حیدرآباد نے مخاطب کیا۔80 سے زائد خواتین وطالبات اس اجلاس میں شریک تھیں۔

● خواتین وطالبات کاایک خصوصی اجلاس بضمن ''دین ودستور بچاؤتحریک'' بتاریخ :1/ دسمبر 2015 ،بروز : جمعرات، 11 بجے دن ، بمقام : لمرا فنکشن ہال ,ٹولی چوکی، حیدرآباد میں منعقد ہوا۔اس خصوصی جلاس کو محترمہ شمیم فاطمہ صاحبہ، رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی اورمحترمہ تہنیت اطہر صاحبہ رکن بورڈ، ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ، رکن عاملہ بورڈ، پروفیسر جمیل النساء صاحبہ رکن بورڈ اورمحترمہ رقیہ فرزانہ صاحبہ، رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی نے مخاطب کیا۔اس خصوصی اجلاس میں300 سے زائد خواتین وطالبات شریک تھیں۔

● مولانا ابوالکلام آزاد کی یوم پیدائش پر اقرأ ایجوکیشن سوسائٹی کی جانب سے خواتین و طالبات کیلئے ایک خصوصی اجلاس بعنوان ''دین و دستور بچاؤتحریک'' بتاریخ:11/ نومبر 2015، بمقام: کماریپالم ،اردوگھر شادی خانہ، وجے واڑہ، میں منعقد ہوا۔اس اجلاس کوڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ، رکن عاملہ بورڈ، محترمہ سیدہ عائشہ طیبہ ،ڈائریکٹر اقرأ ایجوکیشنل سوسائٹی محترمہ بشری ندیم صاحبہ رکن متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی، حیدرآباداور دیگر خواتین نے مخاطب کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں خواتین و طالبات نے اس اجلاس میں شرکت کیں۔

● آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے جاری ملک گیر'' دین و دستور بچاؤ تحریک'' کا ایک خصوصی اجلاس خواتین و طالبات کیلئے بتاریخ: 17 / ڈسمبر 2015، بروز: جمعرات، بوقت: 11 بجے دن، بمقام: لمرا فنکشن ہال، ایرہ گڈہ، حیدرآباد، منعقد ہوا۔اس خصوصی اجلاس کو، پروفیسر جمیل النساء صاحبہ، رکن بورڈ، محترمہ شمیم فاطمہ صاحبہ، رکن عاملہ تحفظ شریعت کمیٹی، محترمہ تہنیت اطہر صاحبہ، رکن بورڈ، رقیہ فرزانہ صاحبہ، رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی نے مخاطب کیا۔ سینکڑوں خواتین وطالبات'' دین ودستور بچاؤ تحریک کے اس خصوصی اجلاس میں شریک تھیں۔

● آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے جاری ملک گیر'' دین و دستور بچاؤ تحریک'' کے ضمن میں خواتین و طالبات کا ایک خصوصی اجلاس کشش فنکشن ہال، مشیرآباد میں ہوا۔اس خصوصی اجلاس کو، پروفیسر جمیل النساء صاحبہ، رکن بورڈ،، محترمہ شمیم فاطمہ صاحبہ، رکن عاملہ تحفظ شریعت کمیٹی، محترمہ تہنیت اطہر صاحبہ، رکن بورڈ، رقیہ فرزانہ صاحبہ، رکن عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی نے مخاطب کیا۔ 1200 سے زائد خواتین وطالبات اس اجلاس میں شریک تھیں۔

● آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے جاری ملک گیر'' دین و دستور بچاؤ تحریک'' کے ضمن میں بام سیف کے سالانہ اجلاس میں خواتین وطالبات کیلئے 26 / , 25 / دسمبر کو خصوصی اجلاس'' دین و دستور بچاؤ تحریک'' کے عنوان پرشمشا آباد کے قریب پنڈال گراؤنڈ میں منعقد ہوا۔

بام سیف کے پہلے دن کے سالانہ اجلاس میں25/ دسمبر 2015 ،بعد مغرب، شمش آباد پر میں دانشور خواتین وحضرات کا خصوصی اجلاس'' دین ودستور بچاؤ تحریک'' کے عنوان پر منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب رکن عاملہ بورڈ ،مولانا حامد محمد خاں صاحب، جماعت اسلامی ہند، جناب مشرام صاحب صدر بام سیف ودیگر حضرات نے مخاطب کیا۔

بام سیف کے دوسرے دن کے سالانہ اجلاس میں26/ دسمبر 2015، صبح 11 بجے دن، خواتین کیلئے خصوصی سیشن بعنوان'' دین بچاؤ و دستور بچاؤ'' بمقام: شمش آباد کے قریب پنڈال گراؤنڈ میں منعقد ہوا۔اس اجلاس کو مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب، رکن عاملہ بورڈ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، سکریٹری بورڈ، میشرام صاحب صدر بام سیف و دیگر حضرات اور خواتین میں پروفیسر جمیل النساء صاحبہ، رکن بورڈ، ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ، رکن عاملہ بورڈ و دیگر خواتین نے مخاطب کیا۔

بام سیف کے اس سالانہ اجلاس میں شہر حیدرآباد وسکندرآباد کی دانشور خواتین کے علاوہ اراکین عاملہ متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی اور سینکڑوں خواتین جب اس اجلاس میں شرکت کیلئے پنڈال میں داخل ہوئیں تو اللہ تبارک وتعالی کے فضل سے قریب 30 ہزار کا مجموعہ اٹھ کر بہت ہی والہانہ طریقہ پر گرمجوشی سے انکا استقبال کیا۔

اخباری بیانات:

● بابری مسجد مقدمہ کے سب سے پہلے مدعی جناب محمد ہاشم انصاری صاحب کی وفات پر دفتر مسلم پرسنل لا بورڈ نئی دہلی میں ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی اور حسب ذیل تعزیتی بیان جاری کیا گیا:

نئی دہلی: ۲۰؍جولائی ۲۰۱۶ء

مسلمانوں کی طرف سے بابری مسجد مقدمہ کے اہم فریق جناب محمد ہاشم انصاری صاحب کے حادثہ وفات پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے فون پر اپنے دلی رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاشم انصاری صاحب نے خانہ خدا کی حفاظت اور قانونی لڑائی میں جس طرح اپنی پوری زندگی وقف کردی وہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک نمونہ ہے، ہاشم صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ قانونی لڑائی میں کبھی پیچھے نہ ہٹے کئی موقعوں پر ان کے ایمان وضمیر کا سودا کرنے کی بھی کوشش کی گئی مگر وہ تھے کہ بڑی سے بڑی پیشکش کو یک لخت آن واحد میں بار ہا ٹھکرایا اور فقر وفاقہ کی زندگی کو ترجیح دی، لیکن کبھی کوئی سمجھوتہ نہ کیا، ان خوبیوں سے ان کے ایمان واعتماد کا بخوبی پتہ چلتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ان کی آخری خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں ہی بابری مسجد کی دوبارہ از سر نو تعمیر کا کوئی راستہ نکل جائے، مگر ایسا نہ ہوسکا، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور دنیا میں کی گئی ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور آخرت میں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

مرکزی دفتر مسلم پرسنل لا بورڈ دہلی میں آفس سکریٹری مولانا محمد وقارالدین لطیفی صاحب کی صدارت میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی جسمیں ان کی وفات کو ایک عظیم قومی وملی حادثہ قرار دیتے ہوئے مولانا وقارالدین لطیفی صاحب نے کہا کہ بابری مسجد کے معاملہ کو اول دن سے آپ نہ صرف دیکھ رہے تھے بلکہ آخر وقت تک قانونی لڑائی بھی لڑ رہے تھے، الہ آباد ہائی کورٹ کے لکھنؤ بنچ کے فیصلہ سے کافی مایوس رہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ان کی طرف سے سپریم کورٹ میں ہائی کورٹ کے فیصلہ کو چیلنج کیا ہے اور قانونی پیروی کر رہا ہے۔

اس تعزیتی نشست میں مولانا تبریز عالم صاحب اور مولانا ارشد عالم صاحب نے بھی اظہار خیال کرتے ہوئے ہاشم صاحب کے حادثہ وفات کو ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے عظیم خسارہ قرار دیا۔ اور اس نشست میں مولانا تبریز عالم صاحب اور مولانا ارشد عالم صاحب، مولانا ممتاز عالم صاحب اور جناب شمشیر عالم صاحب شریک ہوئے۔

- ملک میں تین طلاق اور یونیفارم سول کوڈ کی بحث چلی تو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے خواتین ارکان بورڈ کی طرف سے شہر بھوپال میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی اور اس موقع پر حسب ذیل تحریری بیان پریس کے حوالہ کیا گیا:

بھوپال: ۳۱/ اگست ۲۰۱۶ء

ڈاکٹر اسماء زہرہ رکن مجلس عاملہ بورڈ نے **31/ اگست، 2016 رونڈرا بھون، بھوپال** میں پریس کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی خصوصیت یہ ہیکہ یہ مختلف مذاہب، طبقات اور زبان بولنے والوں کا ملک ہے۔ ملک میں مختلف مذہبی، لسانی اکائیوں اور قبائل کو مذہبی اور انکے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی دستوری آزادی دی گئی ہے۔ اسلام کے عائلی قوانین کی بنیاد قرآن و حدیث کے احکامات پر مشتمل ہے۔ اسلامی شرعی قوانین بہت وسیع اور گہرے عملی پہلو رکھتے ہیں۔

اسلام میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی بات ہے تو وہ ہے طلاق۔ ہر مذہب اور کمیونٹی میں طلاق کے اپنے قوانین ہیں۔ جس کے مطابق شوہر اور بیوی آپس میں تفریق حاصل کرسکتے ہیں۔ ہر طبقے میں عورتیں کچھ نہ کچھ مسائل کا شکار ہیں۔ اس طرح ہندو، سکھ، جین، عیسائی مذاہب کے ماننے والوں میں بھی ازدواجی معاملات میں کہیں نہ کہیں تنازعات پائے جاتے ہیں۔ میڈیا کا یہ پروپگنڈہ سراسر غلط بیانی پر مبنی ہیکہ مسلم سماج میں طلاق کی شرح زیادہ ہے یا مسلم عورتیں طلاق کی وجہ سے پریشان حال ہیں۔ تین طلاق کے مسئلے کو اصل واقعہ سے ہٹا کر بڑھا چڑھا کر مسلمانوں کو بدنام کرنے کیلئے مسلسل میڈیا میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ہندوستان ٹائمز **4/** جنوری **2015** میں شائع **Aporva Dutt**، اپروا دت کی ایک رپورٹ کے مطابق عالمی سطح پر ہندوستانی سماج میں طلاق کی شرح بہت کم ہے۔ **1000** شادی شدہ جوڑوں میں صرف **13** طلاقیں ہوتیں ہیں۔ جبکہ امریکہ میں **1000** شادی شدہ جوڑوں میں **500** طلاقیں ہوتیں ہیں۔ ہندوستان میں مرکزی حکومت یا ریاستی حکومت کے تحت طلاق وخلع کا کوئی رجسٹری محکمہ یا ادارہ نہیں ہے۔ گذشتہ **5** سالوں **2010** سے لیکر **2014** تک ہندوستان کے شہری علاقوں میں طلاق کے کیسس میں **350** فیصد تک طلاقوں میں اضافہ ہوا ہے۔ ممبئی، کولکتہ، دہلی، لکھنو، بنگلور کے اعداد وشمار پیش کئے گئے۔

مسلمانوں میں **97%** سے زیادہ شادی شدہ خاندان ہنسی خوشی کامیاب زندگی گذار رہے ہیں اور مسلمان عورتیں مسلم پرسنل لاء وشرعی عائلی قوانین سے بلا کسی جبر و کراہ کے مطمئن اور خوش ہیں۔ زوجین ایکدوسرے کے حقوق و ذمہ داریوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ آپسی شدید اختلافات اور تنازعات کی صورت میں ہر ایک کو طلاق اور خلع کا اختیار آزادانہ طور پر علیحدہ ہونے کیلئے دیا گیا ہے۔ شرعی قوانین میں ظلم وزیادتی سے کسی عورت کو نکاح میں باندھ کر رکھا نہیں جاسکتا اور اسی طرح کسی ناپسندیدہ بیوی کو زندگی بھر لٹکا کر رکھا نہیں جاسکتا ہے۔ آزادانہ خوشحال زندگی کیلئے شریعت نے ہر دو کو نجی آزادی دے رکھی ہے۔

انھوں نے کہا کہ حالیہ عرصہ میں اخبارات میں کچھ آرٹیکلس چھپے ہیں جس میں سنہ 2011 کے اعداد وشمار کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اور یہ تأثر دینے کی کوشش کی گئی کہ مسلمانوں میں طلاق کا فیصد بہت زیادہ ہے۔ حقیقت یہ ہیکہ طلاق کا فیصد مسلمانوں میں بہت کم ہے اور مسلمانوں میں علیحدگی اور متروک کا تناسب بھی بہت کم ہے۔

انھوں نے کہا کہ شوہر گھر کا ذمہ دار ہے۔ بچوں کی ساری ذمہ داری والد پر

ہے۔ بیوی شادی یا نکاح کے ختم ہونے پر آزاد ہو جاتی اور آگے کی زندگی اپنی مرضی سے گذار سکتی ہے۔ اسلام میں شادی ایک معاہدہ ہے۔ ایک Contract ہے۔ نہ کہ جنم جنم کا بندھن۔

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس آف انڈیا ٹی ایس ٹھاکر نے صحیح کہا ہیک ''ہ کورٹ اور عدالت ہر مسئلہ کا حل نہیں ۔ ہم یہ نہیں حکم دے سکتے کہ سارے ناجائز قبضے ختم ہوں، مرڈرس نہ ہوں، کرپشن ختم کیا جائے۔۔۔۔'' اسی طرح ہم یہ بھی مطالبہ نہیں کرسکتیکہ کورٹ شوہر کو پابند کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے اور اگر کورٹ کے آرڈر کے باوجود وہ اپنی بیوی کو تین طہور میں طلاق دے دے تو کیا اس مطلقہ عورت کا مسئلہ حل ہوگا۔ یہ سارے مسائل کیلئے اصلاح معاشرہ کی ضرورت ہے۔ اور سوشل ایکٹوسٹ اور مصلحین کو میدان عمل میں ٹھوس کام کرنے کیلئے آگے آنا ہوگا۔

انھوں نے کہا کہ آج ایسے کئی تنظیمیں اور آندولن ابھر پڑے ہیں جو خود کو خواتین کے حقوق کے چیمپئین ظاہر کرنا چاہتے ہیں ۔انھیں قرآن اور حدیث کا بنیادی فہم بھی نہیں ہے۔ یہ لوگ اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ طلاق مجبوری میں ایک احسن طریقہ ہے رشتہ کو ختم کرنے کا۔

آج ہندوستانی سماج جن مسائل سے دوچار ہے انمیں سب سے اہم دختر کشی، female infanticide جہیز اور جوڑے گھوڑے کی لعنت اور گھریلو تشدد۔ ہندوستان میں اسوقت 40% بیویاں شوہر اور سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے گھریلو تشدد کا شکار ہیں۔

میڈیا کے ذریعہ مسلمان عورتوں کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کیوں کوشش کی جارہی ہے۔ انھیں امظلوم و مجبور کیوں بتایا جارہا ہے۔ اسلام نے عورت کو بحیثیت ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے اعلیٰ مقام و مرتبہ دیا ہے، کیونکہ اسلام میں مستحکم خاندان کی بہت اہمیت ہے۔

انھوں نے مسلم خواتین سے اپیل کی کہ طلاق ثلاثہ اور شریعت سے متعلق کسی بھی قسم کے پروپگنڈے سے متأثر نہ ہوں اور مسلم آندولن و مورچہ و دیگر خاتون تنظیموں سے چوکنا رہیں، جو مسلم خواتین کو الجھانے اور گمراہ کرنے کی ایڑی چوٹی کا زور لگارہی ہیں۔

یہ تمام کوششیں دراصل یکساں سول کوڈ کے نفاذ کیلئے راہ ہموار کرنے' کی جارہی ہے۔ اس کے لئے اسلام بیزار لبرل نام نہاد ٹولے کو خوب استعمال کیا جارہا ہے۔ مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی قسم کی مداخلت کو ہم ہرگز برداشت نہیں کرینگے اور مسلمانوں کے تمام طبقات، جماعتیں اور ادارے، مسالک، گروہ متحدہ طور پر مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی قسم کی مداخلت کی کوشش کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ اور اپنے قانونی، دستوری حقوق کے تحفظ کیلئے ہر طرح کی پرامن جدوجہد کیلئے تیار ہیں۔

انھوں نے کہا کہ ہم آر ایس ایس اور بی جے پی کی ان تمام کوششوں کی پر زور مذمت کرتے ہیں جو مسلم پرسنل لاء میں تحریف و ترمیم کرنا چاہتے ہیں یا عدالت عالیہ کو استعمال کر کے مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کرنے کیلئے مسلسل کوشاں ہیں۔ ہم ملک کے **10** کروڑ مسلم خواتین مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کیلئے ہر طرح کوشش کریں گے۔

- جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مؤرخہ ۲۲ر ستمبر ۲۰۱۶ء کو مرکزی حکومت کی سازشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے ملک کے تمام مسلمانوں سے دستخطی مہم کی تحریک چلانے کی اپیل کی اور اس سلسلہ میں درج ذیل اخباری بیان جاری کیا:

نئی دہلی۔۲۲ر ستمبر ۲۰۱۶ء

کسی باخبر مسلمان (مرد و عورت) سے یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں آئین نے دین و شریعت پر عمل کرنے اور اپنی تہذیب کو برقرار رکھنے کا حق ہملوگوں کو دیا ہے اسے چھیننے کی مختلف سطح پر کوشش ہو رہی ہے، اور برہمنی کلچر میں رنگنے کی بڑی سازش مختلف طریقوں پر انجام دیجارہی ہے اسی سچائی کو عام مسلمانوں تک پہونچانا اور انہیں دین و شریعت اور تہذیب کی حفاظت کیلئے آمادہ کرنا ہر باشعور مسلمان کی ذمہ داری ہے، ان خیالات کا اظہار آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر نے کیا ہے، انہوں نے آگے کہا ہے کہ اس کام کیلئے کچھ نام نہاد مسلمان مرد و اور عورتوں کو بھی استعمال کیا جارہا ہے اور انہیں ٹی وی اور اخبارات میں سامنے لاکر پوری طاقت سے یہ جھوٹ پھیلایا جارہا ہے کہ مسلمانوں خاص طور پر مسلم عورتوں کی بہت بڑی اکثریت قانون شریعت میں تبدیلی چاہتی ہیں، لیکن یہ پراپگنڈہ حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، حقیقی صورت حال اسکے برعکس ہے جسے ملک کے سامنے لانیکی فوری ضرورت ہے۔

حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے کہا کہ موجودہ صورت حال کے پیش نظر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے تمام ارکان، مختلف مسالک، تنظیموں، جماعتوں، اداروں اور مدارس سے تعلق رکھنے والے ارکان علماء کرام، اہل فکر و دانش ائمہ مساجد اسکول اور کالجوں کے اساتذہ اور معلمات کو آواز دیتا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو صورتحال سے واقف کرائیں، آنیوالے خطرات سے آگاہ کریں اور اپنے اپنے علاقہ سے زیادہ سے زیادہ مسلم خواتین کا دستخط (پورا نام پتے اور موبائل نمبر کے ساتھ) مندرجہ ذیل بیان پر حاصل کریں اور دستخط سے متعلق کاغذات کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پتہ ALL INDIA MUSLIM

PERSONAL LAW BOARD, 76A/1,Main,Market,Okhla,vill,Jamia Nagar,NEW DELHI,10025 پر رجسٹری ڈاک سے بھیجنے کی مہم چلائیں ۔جس کاغذ پر دستخط لیا جائے اسکے اوپر واضح الفاظ میں لکھا جائے کہ ہم دستخط کنندگان ذیل ہر ایک پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ....

(۱) ہم اسلامی شریعت کے تمام احکام سے خاص طور پر طلاق، خلع، فسخ، وراثت کے دینی احکام پر پوری طرح مطمئن ہیں اور انمیں کسی طرح کی تبدیلی کی ضرورت یا گنجائش سے انکار کرتے ہیں۔

(۲) ہم قانون شریعت کی حفاظت میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ ہیں۔

(۳) ہم زور دیکر کہتے ہیں کہ قانون شریعت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ضرورت اپنی معاشرتی خرابیوں کو دور کرنے، بگڑی عادتوں کو سدھارنے اور ایمانداری کے ساتھ شریعت پر عمل کرنے کی ہے۔

- ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے دستخطی مہم کے سلسلہ میں حسب ذیل اخباری بیان جاری فرمایا:

حکومت ہند کے ذمہ داروں کی طرف سے شریعت اسلامی میں تبدیلی کی کوشش کا جو آغاز ہوا ہے، اس کو امت مسلمہ کے تمام حلقوں نے مسترد کر دیا ہے، کیونکہ شریعت اسلامی میں کسی کو بھی تبدیلی کا حق نہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس سلسلے میں دستخطی مہم شروع کی ہے جو پورے ملک میں جاری ہے۔تمام مسلمان مردوں اور عورتوں سے اپیل ہے کہ اس دستخطی مہم میں پوری تندہی سے حصہ لیں، اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے پیغام کو گھر گھر پہنچائیں اور اپنی صفوں میں اتحاد قائم کریں۔اور اس بات کا عہد کریں کہ ہم اسلامی شریعت میں کسی تبدیلی کو قطعی برداشت نہیں کریں گے۔

- سائرہ بانو نامی خاتون نے سپریم کورٹ میں تین طلاق، چار شادیوں اور حلالہ کے نظام شرعی کو ختم کرنے کے سلسلہ میں ایک رٹ داخل کی ہے جسمیں مسلم پرسنل لا بورڈ، جمعیۃ العلماء کے ساتھ ساتھ مرکزی حکومت کو بھی فریق بنایا گیا ہے، جمعیۃ العلماء اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے جواب داخل کرنے کے بعد مرکزی حکومت نے بھی اپنا جواب داخل کیا جسمیں مرکزی حکومت نے بھی اپنے حلف نامہ میں اس نظام کو ختم کرنے کی سفارش کی ہے، اسی تناظر میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری صاحب کی سربراہی میں تمام مسلم جماعتوں کے ذمہ داروں کے ساتھ مؤرخہ ۱۱/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو دہلی میں ایک اہم مشاورتی نشست ہوئی، جسمیں مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء ہند دونوں حلقے، جماعت اسلامی، جمعیت اہل حدیث، مسلم مجلس مشاورت، آل انڈیا ملی کونسل، اتحاد ملت کونسل، نیز تمام مسالک دیوبند، بریلوی، شیعہ کے ذمہ داران اور نمائندے شریک ہوئے اور اس نشست میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ لاکمیشن نے جو سوالنامے قائم کئے ہیں ان کا بائیکاٹ کیا جائے، اور اس کی جگہ پورے ملک میں دستخطی مہم چلائی جائے، اور یہ بھی طے کیا گیا کہ ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو کل جماعتی سطح پر ایک پریس کانفرنس منعقد کی جائے چنانچہ ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو پریس کلب آف انڈیا میں ایک کل جماعتی پریس کانفرنس کا انعقاد کیا گیا اور اس موقع سے حسب ذیل تحریری بیان جاری کیا گیا:

یکساں سول کوڈ کے سلسلہ میں لاکمیشن نے جو سوالنامہ قائم کیا ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور تمام مسلم جماعتیں، جمعیۃ علماء ہند، جماعت اسلامی ہند، مسلم مجلس مشاورت، ملی کونسل، مرکزی جمعیت اہل حدیث، نیز تمام مسالک دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ، اس کو مسترد کرتے ہیں، اور واضح کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہے، نیز مسلمانوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس کا بائیکاٹ کریں اور اس سوالنامہ کا جواب نہ دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سوالنامہ کمیشن کی بدنیتی کا مظہر اور مسلم پرسنل لا کو ختم کرنے کی سازش ہے، اس سوالنامہ میں کوشش کی گئی ہے کہ جواب دینے والوں کو الجھا دیا جائے، کمیشن نے دستور کی دفعہ ۴۴/ کا حوالہ دیتے ہوئے یکساں سول کوڈ کو ایک دستوری عمل قرار دینے کی کوشش کی ہے، یہ بالکل دھوکہ اور جھوٹ ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دفعہ ہدایات کا حصہ ہے، جس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، دستور کے جس حصہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، وہ دستور میں مذکور بنیادی حقوق کا حصہ ہے، جس کی دفعہ ۲۵/ ضمانت دیتی ہے کہ ملک کے ہر شہری کو مذہب کے مطابق عقیدہ رکھنے، مذہبی قوانین پر عمل کرنے اور مذہب کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔معزز عدالتوں نے بھی ہمیشہ اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اصل اہمیت بنیادی حقوق کی ہے، اگر واقعی حکومت اخلاقی ہدایات پر عمل کرنا چاہتی ہے تو اس کو چاہئے کہ عوام کی بھلائی سے متعلق جو دفعات ہیں، جیسے: شراب پر مکمل پابندی، ہر بچہ کے لئے تعلیم کی مفت فراہمی، ہر ایک کے لئے صحت وعلاج کا انتظام، ہر گھر میں بیت الخلاء کا نظم وغیرہ، ایسے کاموں کو انجام دے، کہ اس میں کسی طبقہ کا اختلاف نہیں ہے یہ وطن عزیز کی بنیادی ضرورت ہے، اور ان سے ملک کے تمام شہریوں کو فائدہ ہوگا، یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ یکساں سول کوڈ سے قومی یکجہتی پیدا ہوگی، دنیا میں بہت سی جنگیں ایسی دو قوموں کے درمیان ہوتی رہی ہیں، جو ایک ہی پرسنل لا پر عمل کیا کرتی تھیں۔کیا اس حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ دونوں جنگ عظیم یورپ کی ان قوموں کے درمیان ہوئیں، جن کا مذہب ایک تھا اور جو ایک ہی

پرسنل لا پر عمل کرتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ یکساں سول کوڈ کی کوشش قومی یکجہتی کی بجائے افتراق کا سبب بنے گی۔ اقلیتوں میں احساس محرومی پیدا ہوگا اور یقیناً یہ بات ملک کے لئے نقصان دہ ہوگی، ملک میں بسنے والے تمام مذاہب اور طبقہ کے لوگوں، ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں، بدھسٹوں، سکھوں، دلت، ٹرائبلس اور آدیباسی وغیرہ نے مل کر آزادی کی جنگ لڑی ہے اور مادر وطن کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرایا ہے۔ انہوں نے اس لڑائی میں پوری یکجہتی کے ساتھ حصہ لیا ہے اور شانہ بشانہ جنگ آزادی میں شریک رہے؛ حالانکہ اِن سب کا پرسنل لا الگ الگ تھا۔ امریکہ ہندوستان کے مقابلہ آبادی کے اعتبار سے چھوٹا ملک ہے، لیکن وہاں ہر ریاست کا پرسنل لا الگ ہے۔ عوام کی خواہش اور ان کی مرضی کی رعایت کی وجہ سے وہاں ملک متحد ہے اور آگے بڑھ رہا ہے۔ ہندوستان کا دستور بھی کثرت میں وحدت کے اصول پر بنایا گیا ہے کہ مختلف مذہب کے ماننے والے لوگ سماجی زندگی میں اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنے میں آزاد ہوں، اور اس اختلاف کے باوجود ایک متحدہ قوم کی حیثیت سے ملک کی ترقی اور اس کی حفاظت میں حصہ لیں۔ ہندوستان جیسا ملک جو مختلف مذاہب، تہذیبوں اور زبانوں کا گلدستہ ہے اور جہاں بعض قبائلی گروہوں کو اس وعدہ پر قومی دھارے میں لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کا تہذیبی تشخص محفوظ رہے گا اور اس میں کوئی دخل نہیں دیا جائے گا، وہاں اس قسم کی کوشش ملک کی سالمیت کو بھی خطرہ میں ڈال سکتی ہے۔

ہندوستان ایک کثیر مذہبی اور کثیر تہذیبی ملک ہے۔ تمام مذہبی اور تہذیبی اکائیوں کے پرسنل لاز ان کی اپنی مذہبی کتابوں سے مستنبط اور ماخوذ ہیں اور ہر گروہ کی تہذیبی شناخت میں ان کی کلیدی حیثیت ہے۔ لہٰذا ان سے چھیڑ چھاڑ کی کوشش نہ صرف مذہبی آزادی کے دستوری و بنیادی حق کو متاثر کرے گا بلکہ ہر تہذیبی اکائی کی منفرد شناخت کو ختم کر دیگی۔

لاکمیشن کا سوال نامہ گنجلک اور گمراہ کن ہے۔ جس میں یہ تصور کرلیا گیا ہے کہ پرسنل لاز سماجی ناانصافی اور صنفی امتیازات پیدا کرتے ہیں اور انہوں نے عورتوں کے حقوق کو فی نفسہ ختم کر دیا ہے۔ اس سوال نامہ سے سائل کی منشاء پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ سوال نامہ کے متعدد سوالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک خاص مذہبی گروہ اور اس کے پرسنل لا کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

تین طلاق، تعدد ازدواج اور نفقہ مطلقہ کے مسئلے پر سپریم کورٹ میں حکومت کا حلف نامہ ہو یا لاکمیشن کا سوال نامہ دونوں کا مقصد ملک میں یونیفارم سول کوڈ کی راہ ہموار کرنا ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ ملک متعدد اہم اور سنگین مسائل سے دو چار ہے، ایک اختلافی مسئلہ کو چھیڑ کر سماج میں انتشار پیدا کرنے اور سماجی تانے بانے اور فرقہ وارانہ ماحول کو بگاڑنے کی یہ ایک مذموم کوشش ہے، جس کی سماج کے ہر طبقہ اور ہر انصاف پسند شخص کو مخالفت کرنی چاہئے۔ ایسا لگتا ہے کہ حکومت اس اختلافی مسئلہ کو ابھار کر اہل ملک کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانا چاہتی ہے جن پر قابو پانے میں وہ ناکام ہو چکی ہے۔ ہم ملک کی تمام سیکولر پارٹیوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ حکومت کی اس کوشش کی بھرپور مخالفت کریں تاکہ حکومت اس اقدام سے باز رکھا جائے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ لاکمیشن اور حکومت پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہے کہ مسلم پرسنل لا تمام مسلمانوں کے دلوں کی آواز ہے، وہ اپنی شریعت میں ایک نقطہ کی تبدیلی کو بھی گوارہ نہیں کر سکتے، اور تمام مسلم جماعتیں، تنظیمیں اور مسالک مسلم پرسنل لا بورڈ کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ لاکمیشن کے سوالنامہ کے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ بھی سبھوں نے مل کر اور پورے غور وفکر کے بعد کیا ہے۔

بورڈ مسلمانوں کو بھی اطمینان دلانا چاہتا ہے کہ وہ مسلم پرسنل لا کی مخالفت میں دائر کئے گئے مقدمات کے خلاف پوری تیاری اور باہمی توافق کے ساتھ پیروی کر رہا ہے، بورڈ نے اس کے لئے اچھے وکلاء کا پینل بنایا ہے، سینئر وکلاء کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، نیز عدالت میں شرعی اور قانونی دونوں پہلوؤں سے مدلل بیان داخل کیا گیا ہے، بورڈ پوری قوت کے ساتھ اپنے اس موقف پر قائم ہے کہ وہ شریعت کے مقررہ احکام میں ایک حرف کی بھی کمی وبیشی کو قبول نہیں کرے گا، کیونکہ یہ احکام قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور انسانی مصلحت وضرورت سے بھی ہم آہنگ ہیں، بورڈ کو پوری امید ہے کہ اگر عدالت نے اس کے داخل کئے ہوئے بیان کو توجہ کے ساتھ پڑھا تو فیصلہ بورڈ کے حق میں ہوگا۔ بورڈ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنی تائید کے ذریعہ بورڈ کی آواز کو قوت پہنچائیں اور بورڈ اس مہم میں جو بھی کہے، اس کی آواز پر لبیک کہیں۔

پریس کانفرنس کو خطاب کرنے والے

۱۔ (مولانا) محمد ولی رحمانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
۲۔ (مولانا) سید ارشد مدنی صدر جمعیت علماء ہند
۳۔ جناب محمد جعفر سابق نائب امیر، جماعت اسلامی ہند
۴۔ (مولانا) اصغر علی امام مہدی سلفی ناظم عمومی، مرکزی جمعیت اہل حدیث
۵۔ (مولانا) سید محمود اسعد مدنی جنرل سکریٹری، جمعیت علماء ہند
۶۔ (مولانا) توقیر رضا خان صدر، اتحاد ملت کونسل
۷۔ ڈاکٹر محمد منظور عالم جنرل سکریٹری، آل انڈیا ملی کونسل
۸۔ جناب نوید حامد صدر، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت
۹۔ (مولانا) ابوالقاسم نعمانی مہتمم، دارالعلوم دیوبند
۱۰۔ (مولانا) محسن تقوی امام، شیعہ جامع مسجد، کشمیری گیٹ، دہلی

● نئی دہلی: ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۶ء

مسلم پرسنل لا بورڈ کی دعوت پر دینی وملی جماعتوں کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں مولانا سید ارشد مدنی صاحب صدر جمعیت علماء ہند مولانا جلال الدین عمری صاحب امیر جماعت اسلامی ہند، مولانا قاری محمد عثمان صاحب صدر جمعیت علماء ہند، مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث، ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا ملی کونسل، جناب نوید حامد صاحب صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت، جناب کمال فاروقی صاحب رکن مجلس عاملہ بورڈ، جناب ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس صاحب رکن مجلس عاملہ بورڈ، مولانا اسرار الحق قاسمی صاحب رکن مجلس عاملہ بورڈ، مولانا فضل الرحمٰن صاحب (جمعیت علماء ہند)، مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نائب صدر آل انڈیا ملی کونسل، جناب نصرت علی صاحب نائب امیر جماعت اسلامی ہند، مولانا انعام الحق مدنی صاحب جمعیۃ اہل حدیث، مولانا عبیداللہ خاں اعظمی صاحب سابق ایم پی اور مولانا محمد ولی رحمانی صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے شرکت فرمائی۔

میٹنگ میں درج ذیل باتوں پر اتفاق ہوا۔

۱۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے جو تحریر روانہ کی گئی ہے وہ بڑی تعداد میں دستخط کروا کر بورڈ کے آفس کو روانہ کردیں تمام مسلمان دستخطی مہم میں بھرپور حصہ لیں، دستخط شدہ تمام کاغذوں کو صدر جمہوریہ ہند کو مناسب وقت پر جمع کردے گا۔

۲۔ مسلم پرسنل لا کے دفاع میں جلسے، ریلیاں، دھرنے اور خطابات عام منعقد نہیں کئے جائیں صرف بورڈ کے آفس سے فراہم کردہ فارم تک خود کو محدود رکھا جائے۔

۳۔ اطلاعات کے مطابق آدی باسی، دلت، عیسائی، سکھ، بودھ اور جینیوں کو ساتھ لے کر ایک بڑی پریس کانفرنس منعقد کررہے ہیں۔ یہ خوش آئند بات ہے کہ وہ بھی یونیفارم سول کوڈ کے خلاف آواز بلند کررہے ہیں۔

۴۔ براہ کرم اس سلسلہ میں جوش وجذبات کا مظاہرہ نہ کریں بلکہ پوری طاقت بورڈ کی جانب سے فراہم کردہ فارم پر دستخط کروانے پر لگائیں تاکہ بڑی تعداد میں یہ فارم پر کرائے جاسکیں۔

● مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری صاحب نے ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو پریس کلب آف انڈیا میں دلت، قبائلی (شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب) آدیواسی، بدھشٹ اور لنگایت کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کے ذریعہ یونیفارم سول کوڈ کی مخالفت کی جسمیں پریس کے نمائندوں کو درج ذیل تحریری بیان بھی دیا گیا:

نئی دہلی: جمعرات، ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۶ء:

یونیفارسول کوڈ کے تعلق سے NDA حکومت کی حالیہ پہل نے جو کہ ان کی ۲۰۱۴ء کے منشور سے ہم آہنگ ہے، بہت سے سنگین سوالات کھڑے کردئے ہیں، نہ صرف ان بنیادی حقوق پر جو سیکڑوں مذہبی جماعتوں کو پورے ملک میں حاصل ہیں بلکہ ان آئینی ضمانتوں پر بھی جو ان زیرفہرست قبائل وغیرہ کو حاصل ہیں جو ہندو ازم کی برہمنی شکل پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایک حالیہ فیصلہ میں معزز عدالت عظمیٰ نے ایک ہندو جوڑے کے معاملہ میں جس کا کوئی بھی واسطہ مسلمانوں یا اقلیتوں سے نہیں تھا بہت ہی اہم نوعیت کا ایک سنگین موڑ لے لیا ہے، پرکاش وغیرہ بنام پھول وتی وغیرہ کے فیصلہ کے دوسرے حصہ میں از خود نوٹس لیتے ہوئے طلاق ثلاثہ کے دائرے کو ایسا بڑھا چڑھا کر پیش کیا کہ جس سے ملک میں یونیفارم سول کوڈ تک اثر انداز ہوسکے، ساتھ ہی ساتھ حکومت نے لاءکمیشن کو حرکت میں لاتے ہوئے اس موضوع پر ایک عدد سوالنامہ بھی پیش کردیا، نہ صرف یہ کہ یہ سوالنامہ ہی ناقص ہے بلکہ اس سے پچھلے دروازے سے یونیفارم سول کوڈ کے لانے کی بھی بھنک ملتی ہے، ہم مختلف جماعتوں کے زیر فہرست برادریوں، زیر فہرست قبائل، لنگایتوں، بدھسٹوں اور دوسرے پس ماندہ سماجوں سے تعلق رکھنے والے شدت سے حکومت کے اس اقدام کی مذمت کرتے ہیں، اور بڑے ہی احترام کے ساتھ اس از خود نوٹس لینے والی معزز عدالت عظمیٰ کی پہل سے عدم اتفاق کرتے ہیں، جس سے ہمارے بنیادی حقوق میں مداخلت ہوتی ہے، اور جن کی ضمانت اقلیتوں کے مذہبی جماعتوں، زیرفہرست ذاتوں اور زیرفہرست قبائل کو دی گئی ہے۔

ہم قوم کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ پہل صرف ہدایتی دفعات اور بنیادی حقوق کے ٹکراؤ کا نہیں بلکہ یہ بنیادی حقوق کے بنیادی حقوق سے ہی تصادم کا معاملہ ہے، ہم یہ بھی واضح کردینا چاہتے ہیں کہ بہت سارے سماج جن کو ہندو مذہب کا پیروکار مان لیا گیا ہے وہ خصوصاً ہندو لاء کی مختلف دفعات سے خارج کر دئے گئے ہیں، کچھ ایسی جماعتیں بھی ہیں جنہیں غلط طریقہ سے ہندو شمار کرلیا گیا ہے، جبکہ وہ برہمن وادی ہندو اقدار کو نہیں مانتیں، ہمارا یہ بھی ماننا ہے کہ حکومت کی حالیہ پہل سے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچے گا، اور یہ قومی ہم آہنگی کی بنیادوں کو بھی کافی حد تک ضرر پہنچائے گا، چونکہ ہمیں بھی اس از خود نوٹس لینے والے پٹیشن (۲۰۱۵ کے پٹیشن سول نمبر ۲/) کا فریق بنا دیا گیا ہے، ہم بھی آئین ہند کی دی ہوئی ضمانتوں کی بالادستی کے لئے ساری ممکنہ قانونی چارہ جوئی کریں گے، اس مدعا کو ہم جمہوری طریقے سے عدالت کے باہر عوام الناس کے درمیان بھی لے کر جائیں گے، ہمیں یہ لگتا ہے کہ آئین کا تعلق بنیادی حقوق اور آئین سے حاصل شدہ آئینی حقوق کا ہے جو کہ مذہبی اقلیتوں اور مخصوص طبقوں کو حاصل ہیں اور ان میں کسی بھی طرح کی مداخلت کے اثرات ملک کے اتحاد اور اس کی سالمیت پر لازماً ہونگے۔

ہمیں امید ہے کہ حکومت پر اچھی سوچ غالب آئے گی اور نہ یہ کہ وہ صرف

اپنا حلف نامہ معزز عدالت عظمیٰ سے واپس لے لے گی بلکہ وہ اس سے اوپر اٹھ کر ملک کے امن وامان میں خلل ڈالنے کی کوشش بھی نہیں کرے گی۔

(۱) وامن مشرام- قومی صدر بھارت مکتی مورچہ نئی دہلی

(۲) کورنیشورسوامی- لنگایت موںک وشو لنگایت مہاسبھا

(۳) پریم کمار گیڈو- نیشنل کوآرڈینیٹر راشٹریہ آدیواسی ایکتا پریشد نئی دہلی

(۴) پروفیسر بابا ہاستے- نیشنل انچارج بدھیسٹ انٹرنیشنل سینٹر

(۵) پروفیسر بھانٹے سنیک رکشت- بدھسٹ مونک

(۶) کمار کالے- ادر بیکورڈ کمیونیٹیز

(۷) انل کمار مانے- نومیڈک ٹرائب کمیونیٹیز

(۸) توقیر رضا خان- اتحاد ملت کونسل

● دستخطی مہم میں تیزی لانے اور پرسکون طریقہ پر اس مہم میں حصہ لیتے ہوئے دھرنا مظاہرہ، سیاہ پٹی اور اجلاس وغیرہ سے منع کرتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مؤرخہ ۲۶/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو حسب ذیل اخباری بیان جاری فرمایا:

نئی دہلی: ۲۶/اکتوبر ۲۰۱۶ء

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے اپنے ایک صحافتی بیان میں فرمایا کہ حالیہ مہینوں میں حکومت ہند کے ذمہ داروں کی طرف سے شریعت اسلامی میں تبدیلی کی کوشش کا جو آغاز ہوا ہے اس کو امت مسلمہ کے تمام حلقوں نے مسترد کر دیا ہے کیونکہ شریعت اسلامی میں کسی کو بھی تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے، اس ملک کا آئین ہمیں اپنی شریعت پر عمل کرنے اور مذہبی طریقہ پر زندگی گزارنے کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے اپنے صحافتی بیان میں فرمایا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے دستخطی مہم پورے ملک میں جاری ہے۔ اور ہمارے مسلمان بھائی بہن اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں اس کام میں مزید تیزی لانے اور منظم انداز میں کرنے کے سلسلہ میں تمام مسلمان مردوں اورعورتوں سے اپیل ہے کہ اس دستخطی مہم میں پوری تندہی سے حصہ لیں اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے پیغام کو گھر گھر پہونچائیں اور اپنی صفوں میں اتحاد قائم کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ ہم اسلامی شریعت میں کسی تبدیلی کو قطعی برداشت نہیں کریں گے۔

واضح رہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی دعوت پر تمام دینی اور ملی جماعتوں کا اجتماع ۱۱/اکتوبر اور ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو منعقد ہوا، جس میں جمعیت علماء ہند (دونوں حلقے)، جماعت اسلامی ہند، جمعیت اہل حدیث ہند، آل انڈیا ملی کونسل اور اتحاد ملت کونسل وغیرہ نے شرکت کی اور یہ فیصلہ کیا کہ دستخطی مہم کو پوری اہمیت اور اولیت کے ساتھ چلایا جائے، شہر سے لے کر گاؤں تک مسلمان مردوں اورعورتوں کو دستخط میں شریک کیا جائے، علمائے کرام ائمہ مساجد اور سماجی کارکن حضرات باہمی مشورہ کے بعد اس کام کو آگے بڑھائیں۔

مذکورہ میٹنگ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ اس سلسلہ میں کوئی مظاہرہ، دھرنا، بند، سیاہ پٹی اور اجلاس عام ابھی نہیں کیا جائے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی یہ مہم جاری رہے گی اور دستخط شدہ پروفورما کو اسکین کرا کر صدر جمہوریہ کے سکریٹری کے ای میل آئی ڈی sec.president@rb.nic.in اور لا کمیشن نئی دہلی کے ای میل آئی ڈی lci-dla@nic.in پر بھیجیں، خواتین کے دستخط والے پروفورما کو صدر جمہوریہ کے سکریٹری اور لا کمیشن کے ای میل آئی ڈی کے ساتھ ساتھ نیشنل ویمن کمیشن کے ای میل آئی ڈی ncw@nic.in پر بھی بھیجیں اور اس بات کی کوشش ہونی چاہئے کہ دستخط شدہ پروفورما کی اصل کاپیاں پہلے مرحلہ میں ۱۲/نومبر تک آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دفتر اوکھلا گاؤں جامعہ نگر نئی دہلی کو دستی طور پر یا ڈاک کے ذریعہ پہونچا دیا جائے۔ دستخطی مہم نومبر کے مہینہ میں بھی جاری رہے گی اور دستخط شدہ پروفورما کی دوسری قسط نومبر کے اخیر یا دسمبر کے شروع میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دفتر میں پہونچائی جائے۔

● دستخطی مہم کے سلسلہ میں پروفورما کے ساتھ حضرت جنرل سکریٹری بورڈ نے تمام ارکان ومدعوئین کی خدمت میں مؤرخہ ۲۹/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو حسب ذیل خط لکھا:

مکرم ومحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

جیسا کہ آپ سبھوں کو معلوم ہے کہ طلاق ثلاثہ، حلالہ اور چار شادیوں کو ختم کرنے اور یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ میں مقدمہ چل رہا ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنا حلف نامہ داخل کر دیا ہے اور اب حکومت ہند نے بھی اپنا حلف نامہ داخل کیا ہے، جسمیں طلاق، حلالہ، چار شادیوں کو عورتوں کے بنیادی حقوق کے خلاف قرار دیا ہے۔

حکومت کی طلب پر اب لا کمیشن نے لوگوں سے رائے طلب کی ہے اور اس سلسلہ میں لا کمیشن نے ۱۵/نومبر ۲۰۱۶ء کو رائے دینے کی آخری تاریخ متعین کی ہے، ان حالات میں تمام ارکان ومدعوئین مسلم پرسنل لا بورڈ، علماء کرام، ائمہ مساجد اور سماجی کام کرنیوالے بھائیوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وقت اور حالات کے پیش نظر اس کام کی طرف پوری توجہ فرمائیں اور جتنی جلد ممکن ہو سکے منسلکہ پروفورما کے مطابق خواتین کے دستخط علیحدہ پروفورما پر اور مرد حضرات کے دستخط الگ پرفورما پر

کرا کر دفتر مسلم پرسنل لا بورڈ کو اس طرح بھجوانے کا نظم فرمائیں کہ وہ نومبر کی ۱۲؍تاریخ تک دفتر کو ضرور مل جائے ساتھ ہی اپنے اپنے مقام سے پروفورما پر دستخط کرا کے دونوں پروفورما کو اسکین کرا کر صدر جمہوریہ کے سکریٹری کے ای میل آئی ڈی secy.president@rb.nic.in وزیر اعظم کے ای میل آئی ڈی appt.pmo@gov.in اور narendramodi1234@gmail.com وزیر قانون کے ای میل آئی ڈی ravis@sansad.nic.in اور لا کمیشن نئی دہلی کے ای میل آئی ڈی lci-dla@nic.in پر بھیجیں، خواتین کے دستخط والے پروفورما کو صدر جمہوریہ کے سکریٹری، وزیر اعظم، وزیر قانون اور لا کمیشن کے ای میل آئی ڈی کے ساتھ ساتھ نیشنل ویمن کمیشن کے ای میل آئی ڈی ncw@nic.in پر بھی بھیجیں۔ اور دونوں دستخط کردہ پروفورما کی اصل کاپی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نئی دہلی کے پتہ پر اس طرح ارسال فرمائیں کہ وہ ۱۲؍نومبر تک دفتر پہونچ جائے —— خیال رہے کہ دستخطی مہم نومبر کے آخر تک جاری رہے گی اور ۱۵؍نومبر کے بعد بقیہ پروفورما نومبر کے اخیر یا دسمبر کے شروع تک دفتر پہونچ جائے۔

مجھے یقین ہے کہ آنجناب اس اہم مہم سے پوری دلچسپی لینگے، ائمہ کرام، علماء اور سماجی کام کرنیوالوں کو اس تحریک سے جوڑینگے، اور بہت بڑی تعداد میں دستخط کروا کر بورڈ کے دفتر کو بھیجیں گے۔

والسلام

محمد ولی رحمانی

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اصلاح معاشرہ کمیٹی برائے خواتین:

● مسلم پرسنل لا بورڈ کی ملک گیر اصلاح معاشرہ کمیٹی برائے خواتین کی جانب سے مؤرخہ ۲۶؍اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ''تحفظ خواتین اور اصلاح معاشرہ'' کے موضوع پر ایوان غالب ماتا سندری لین نئی دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، اس اہم اجلاس کے بعد حسب ذیل پریس ریلیز جاری کی گئی:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی اصلاح معاشرہ کمیٹی برائے خواتین دہلی کی جانب سے خواتین و طالبات کیلئے منعقدہ کنونشن بعنوان **''تحفظ شریعت اور اصلاح معاشرہ''** بتاریخ : **26/** اکتوبر، 2016، بروز : چہارشنبہ، بوقت: 2 بجے دن، بمقام: ایوان انسٹی ٹیوٹ، ایوان غالب مارگ، نئی دہلی، میں **مہمان خصوصی محترمہ فلویہ اگنس Flavia Agnes** سنیئر ایڈوکیٹ و سماجی کارکن نے خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ مسلم خواتین کو چاہیئے کہ وہ اپنی بات عدالت اور حکومت کے سامنے رکھے، سارا ملک اس بات پر حیران و پریشان ہے کہ اچانک وزیر اعظم کو مسلم عورتوں کے حقوق کیسے یاد آگئے۔؟ ذکیہ جعفری آج تک انصاف کیلئے لڑ رہی ہیں، وہ تو ایک مسلم خاتون ہیں، گجرات میں دو ہزار مسلم عورتوں پر ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑے گئے۔ اسوقت مسلم عورتوں کے حقوق اور انصاف کی بات نہیں کہی گئی۔ ضرورت اس بات کی ہیکہ زیادہ سے زیادہ مسلم خواتین اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے آگے آئیں اور نام نہاد تنظیموں اور آندولنوں کا پرزور جواب دیں۔

محترمہ تبسم صدیقی صاحبہ رکن اصلاح معاشرہ کمیٹی، دہلی نے قرآن میں عورت کے مقام پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ قرآن کریم میں عورت کا مقام کافی بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر قسم کے حقوق دیئے ہیں۔ ماں کا درجہ، بیوی کا مقام، بیٹی اور بہن کے ساتھ حسن سلوک کی خاص تاکید کی ہے۔ لیکن ہم نے اپنے حقوق جاننے کی کوشش ہی نہیں کی، ہم کو فخر کرنا چاہیئے کہ ہم مسلمان عورت ہیں، جس کے نام سے سورہ نساء نازل ہوئی ہے۔ اور قرآن میں ہمارا ذکر ہے۔ کہیں اور سے ہمیں معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

انھوں نے کہا کہ وراثت میں مسلمان عورت کو حق چودہ سو سال پہلے ہی مل گیا جبکہ یوروپ میں **1870** میں عورت کو وراثت میں حق دیا گیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کی تعلیمات کتنی روشن اور قابل عمل ہے۔ اگر اس سے کوتاہی کی جاتی ہے تو اللہ کے پاس اسکی سزا بھی مقرر ہے۔

ڈاکٹر بازغہ تبسم صاحبہ، جماعت اسلامی ہند، علیگڈھ نے خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آج ہندوستان انتشار کا شکار ہوگیا ہے اور غیر مسلم مرد اور خواتین بھی تشویش میں ہے کہ آخر مسلمانوں کا مسئلہ کیا ہے۔؟ میڈیا کے ذریعہ تین طلاق کو جو مسئلہ بنایا جارہا ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم تمام ہندوستانیوں کو یہ بتادیں اسلام کے اصل قوانین کیا ہیں۔؟ اور ہم اس پر عمل شروع کردیں۔ ہم منافقین کو اس بات کی اجازت نہیں دینگے کہ وہ اسلام کے قوانین کے ساتھ کھلواڑ کریں۔ اور دنیا کو یہ بھی بتادیں کہ مسلمان عورت مسلم پرسنل لاء میں محفوظ ہے۔

ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ، رکن عاملہ بورڈ نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ اسلام کی تعلیمات عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اسلام میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی۔ مسلم پرسنل لا میں مسلم خواتین کے حقوق کی حفاظت کا پورا انتظام ہے۔ نکاح، طلاق، وراثت میں مسلم خواتین کو بہت زیادہ حقوق حاصل ہیں۔ قرآن مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ شریعت اسلامی کے احکامات کو مانے اور کسی بھی حال میں شریعت کی نافرمانی نہ کریں۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کی زیادہ اہمیت ہے۔

انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کے طریقے طلاق کو بدنام کرنیکی میڈیا میں کوشش کی جارہی ہے اور عدالت اور حکومت کی جانب سے مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی کوشش ہورہی ہے۔ایسے وقت میں تمام مسلم خواتین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ تحفظ شریعت کا فریضہ انجام دیں۔مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے دستخطی مہم چلائی جارہی ہے خواتین سے انھوں نے اپیل کیکہ ہزاروں کی تعداد میں اس میں حصہ لیں۔

محترمہ ممدوحہ ماجد صاحبہ، رکن بورڈ، نے کہا کہ مسلم خواتین کی خدمات کے اثرات آنے والی نسلوں پر مرتب ہوتے ہیں۔لہذا نئی نسل کی تعلیم وتربیت پر وہ اولین توجہ دیں اورانھوں نے کہا کہ مسلم خواتین پورے استقامت کے ساتھ تحفظ شریعت اوراصلاح معاشرہ کا کام کریں۔

کنوینر محترمہ زینت مہتاب صاحبہ نے خواتین کا شکریہ ادا کیا۔سینکڑوں خواتین اس اہم کنونشن میں شریک تھیں۔

● آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک پر پورے ملک میں دستخطی مہم چل رہی ہے،ضرورت یہ محسوس کی جارہی تھی کہ ملک کی راجدھانی دہلی میں خواتین ارکان بورڈ کی طرف سے بڑے پیانے پر ایک پریس کانفرنس منعقد کی جائے ۔ چنانچہ ۲۷/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو پریس کلب آف انڈیا میں ایک پریس کانفرنس ہوئی جسمیں خواتین ارکان بورڈ کے علاوہ سماجی کام کرنے والی بہنوں نے بھی شرکت کی اوراس پریس کانفرنس کے موقع پر پریس کے نمائندوں کوحسب ذیل تحریری پریس نوٹ بھی دیا گیا:

پریس کلب آف انڈیا نئی دہلی: ۲۷/اکتوبر ۲۰۱۶ء

ہم مسلم خواتین مختلف جماعتوں اور مسلکوں سے تعلق رکھتے ہیں اور بہت ہی کھلےلفظوں میں اظہار کرتے ہیں کہ ہم مسلم پرسنل لا میں پوری طرح محفوظ ہیں وہ لوگ جو مسلم خواتین سے زبانی ہمدردی ظاہر کرتے ہیں ان کو پتہ ہونا چاہئے کہ وہ مساوات اور یونیفارم سول کوڈ کے نام پر نیشنل اور انٹرنیشنل سازش کا شکار ہورہے ہیں۔اور یہ حکومت وقت کا جو ایجنڈا ہے جو ان کے مینیفیسٹو میں مذکور ہے۔ہم پورے اعتماد کے ساتھ دنیا کے یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ جو حقوق اور جو حفاظت شریعت اسلامی نے ہم کو دی ہے وہ کسی اور مذہب نے نہیں دی ہے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا تھا اور مسلمان شرعی قانون (جو کہ قرآن حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ اور خلفائے راشدین) کے رہنما اصولوں پرمبنی ہے لوگوں کو یہ بھی پتہ ہونا چاہئے کہ طلاق اور ایک سے زائد شادیوں کا تناسب مسلمانوں میں سب سے کم ہے،لیکن پروپیگنڈہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان مردوں کے پاس طلاق کے علاوہ اور کوئی دوسرا کام نہیں ہے وہ لوگ جو حقوق نسواں کی بات کرتے ہیں ان کو جواب دینا چاہئے کہ:

۱۔ پارلیمانی نظام میں عورتوں کا پچاس فیصد حصہ کیوں نہیں ہے؟

۲۔ عدلیہ میں عورتیں کہاں نظر آتیں ہیں

۳۔ ہندوستان کے مشہور تعلیمی ادارے، ریسرچ سینٹر عورتوں کی نمائندگی سے محروم کیوں ہیں؟

۴۔ ملٹری (فوج) میں عورتیں کہاں کھڑی ہیں؟

۵۔ اختلافات کی بنیاد پر اگر شادی کامیاب نہیں ہوتی ہے تو عورتوں کو طلاق لینے میں سالہا سال کیوں لگ جاتے ہیں

دوسری طرف ہم یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ:

۱۔ شادی اسلام میں ایک معاہدہ ہے اورعورت کو پوراحق ہے کہ اس معاہدہ میں خاطر خواہ تبدیلی کرنا اور معاہدہ کو نامنظور کرنا بھی شامل ہے۔

۲۔ حق وراثت کے تعلق سے مسلمانوں میں مرد اور عورت کے درمیان کسی طرح کا امتیاز نہیں ہے۔اور نہ ہی یہ قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔

۳۔ رحمِ مادر میں بچیوں کا قتل،حمل ضائع کرنا اسی طرح تعدد ازواج کا تناسب مسلمانوں میں بہت کم ہے۔

۴۔ مسلم خواتین قانون شریعت (نکاح،طلاق،خلع،فسخ،وراثت) میں پوری طرح مطمئن ومتفق ہیں اسمیں کسی طرح کی تبدیلی نہیں چاہتے۔ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جو گروپ طلاق کے ذریعہ یونیفارم سول کوڈ کو لانا چاہتا ہے وہ اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔یہ بات حیرت انگیز ہے کہ سنگھ پریوار کئی زبانوں میں بول رہا ہے، آرایس ایس کا کہنا ہے کہ طلاق مسلمانوں کا اندرونی معاملہ ہے اور ان ہی کے ہم مزاج وزیراعظم مسلمانوں کی اٹھارہ کروڑ آبادی کو نظرانداز کرتے ہوئے جو اپنے ملک وقانون سے محبت کرتے ہیں ان کی رائے جانے بغیر شرعی معاملہ میں مداخلت کے لئے عدالت میں حلف نامہ داخل کرتے ہیں،ہم پھرایک باراصرار کرتے ہیں کہ ہم مسلم خواتین اس طرح کی کسی بھی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور مسلمان خواتین اپنے مسلم پرسنل لا میں بالکل محفوظ ہیں۔ طلاق ثلاثہ کا مسئلہ اٹھانے کا بنیادی مقصد اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں سے انکے وہ حقوق چھین لینا ہے، جو دستور میں دیئے گئے ہیں۔ ہندوستان کی 10 کروڑ مسلمان خواتین پورے طور پر مسلم پرسنل لا کی حمایت کرتی ہیں اور کسی بھی قسم کی دخل اندازی کی مخالفت کرتی ہیں۔لاکمیشن کی جانب سے جو سوالنامہ جاری کیا گیا ہے اس کا مقصد ہر طرح سے یونیفارم سول کوڈ کو لاگو کرنا معلوم ہوتا ہے۔ہم تمام خواتین اس سوالنامہ کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ہم مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ ہیں۔ مودی حکومت اور ان کے وزرا

اکثر gender justice اور اس قسم کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عورتوں کیساتھ اسلام میں انصاف کیا گیا ہے۔ 97% سے زیادہ مسلم خواتین کامیاب ازدواجی زندگی گذار رہی ہیں اور وہ اپنے مسلم پرسنل لا سے مطمئن وخوش ہیں۔ اسلام میں شادی ایک معاہدہ اور بونڈ ہے۔ جس سے دونوں فریقین امن وخوشحالی کی زندگی گذارتے ہیں۔ تنازعہ کی صورت میں علیحدگی کا دروازہ اسلام نے کھلا رکھا ہے۔ اور اگر تنازعہ کا حل کس طرح بھی ممکن نہ ہو، تو پھر طلاق یا خلع کے ذریعہ فریقین علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اسلام میں طلاق کا قانون بہت آسان ہے۔ دوسرے مذاہب میں طلاق لینے کیلئے کورٹ جانا پڑتا ہے اور چھ تا آٹھ سال کا عرصہ لگ جاتا ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں طلاق کے تناسب کو بتلاتے ہوئے انھوں نے کہا اگر مطلقہ مسلمان کی تعداد دو لاکھ ہے تو ہندوؤں میں مطلقہ کی تعداد 10 لاکھ ہے۔

بہت ہی توہین آمیز بات ہوگی کہ طلاق پر پابندی لگا کر عورت کو اسی شوہر کے ساتھ زبردستی رہنے پر مجبور کیا جائے جس نے اسے طلاق دے دی جبکہ وہ اس عورت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ طلاق چاہے ایک ہو یا دو یا تین اسلام میں اسکو ایک ناپسندیدہ عمل قرار دیا گیا۔ مسلم پرسنل لا مرد وعورت دونوں کیلئے ایک خوشگوار زندگی گذارنے کیلئے ایک متوازن طرز زندگی ہے۔ قرآن کریم میں صاف حکم ہے کہ عورتوں کے ساتھ انصاف کرو، اور یہی تقویٰ ہے۔

تعداد ازدواج کی اگر اسلام میں اجازت ہے تو انصاف کی کڑی شرطوں کے ساتھ ہے۔ ورنہ نہیں، صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنے کے احکام ہیں۔ حکومت کے ریکارڈ کے مطابق مسلمانوں میں دوسری شادی کی شرح 3.5% ہے تو ہندوؤں میں 6.8% ہے۔ ایک مسلمان عورت دوسری بیوی کے درجہ میں بھی تمام سماجی، مذہبی حقوق کی حقدار ہے۔ دوسری بیوی کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اگر مسئلہ ہے تو ان مذاہب میں ہے جہاں دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے اور وہ عورتیں صرف keeps (رکھیل) کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسلامی معاشرہ بدنام کیا جارہا ہے۔

کیا حکومت کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان ۱۰ لاکھ مسلمان عورتوں کا خیال کرے؟ جہیز کے سلسلے میں اموات کی تعداد 26 ہزار سالانہ ہے۔ ہر پندرہ منٹ میں ایک ریپ کا کیس واقع ہوتا ہے۔ مادر رحم میں بچوں کو قتل کے معاملہ ہر سات سکنڈ میں واقع ہوتے ہیں۔ 41% ہندوستانی عورتیں گھریلو تشدد کی شکار ہیں۔ 15 ملین بچیاں 18 سال کی عمر سے پہلے ہی بیاہ دی جاتی ہیں۔ کیونکہ والدین کو اپنی بچیوں کی عزت بچانا ہوتا ہے۔ کئی ایسے رسوم ورواج ہیں جن سے انسانی حقوق پامال ہوتے ہیں۔ حکومت کی توجہ ہندوستان کے حقیقی مسائل کی طرف ہونی چاہیئے کہ وہ بچیوں کا مادر رحم میں قتل، بچیوں کا بچپن میں ہی قتل Female Infenticide، جہیز کا رواج، جوڑے گھوڑے کی لعنت، تعلیم کی کمی، جہالت، عورتوں کی حفاظت پر غور کرے۔

مسلمان عورتیں قابل ستائش ہیں کہ وہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کیلئے پورے ملک میں بڑی بھاری تعداد میں جمع ہو رہی ہیں۔ اور جلسے وجلوس سے اپنی تائید و حمایت کا اظہار جمہوری طریقے کو اپناتے ہوئے کر رہی ہیں۔ ہم خواتین مسلم پرسنل لا بورڈ کی آواز پر دستخطی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں اور ساتھ ہی ہم ہندو بہنوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ میڈیا کے غلط بہکاوے میں ہرگز نہ آئیں اور مسلمان بہنوں سے اپیل ہے کہ وہ پرامن، جمہوری طریقے سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کا ساتھ دیں۔ اور جب جب بورڈ آپ کو آواز دے اس آواز پر لبیک کہیں۔

پریس کانفرنس میں درج ذیل خواتین نے شرکت کی:

۱۔ محترمہ ڈاکٹر اسماء زہرہ رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
۲۔ محترمہ ممدوحہ ماجد رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
۳۔ محترمہ عطیہ صدیقی رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، صدر جماعت اسلامی ہند
۴۔ محترمہ زینت مہتاب اصلاح معاشرہ کمیٹی، نئی دہلی
۵۔ محترمہ بشریٰ رحمان سنبھل یوپی
۶۔ محترمہ ڈاکٹر عطیہ خلجی جمعیت اہل حدیث، نئی دہلی
۷۔ محترمہ خورشید دیوبند
۸۔ محترمہ یاسمین فاروقی ویمین انڈیا، راجستھان

وفیات:

ارکان بورڈ میں جناب ہارون بھائی موزہ والا صاحب ممبئی ۲۸/اکتوبر ۲۰۱۶ء اور قاضی محمد جسیم الدین رحمانی صاحب قاضی شریعت امارت شرعیہ پٹنہ ۲/نومبر ۲۰۱۶ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔

غیر ارکان بورڈ میں رکن بورڈ جناب امین عثمانی صاحب کے بڑے بھائی حکیم محمد ایوب عثمانی صاحب ۱۰/ستمبر ۲۰۱۶ء کو، جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کے استاذ حدیث مولانا محمد ظاہر قاسمی صاحب ۸/ستمبر ۲۰۱۶ء کو، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب لکھنؤ ۲۵/ستمبر ۲۰۱۶ء کو، رکن بورڈ قاری محمد یعقوب علی خان صاحب کے بھائی محبوب علی خان صاحب ۱۳/اکتوبر ۲۰۱۶ء کو انتقال فرما گئے۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے اور ان سب کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

ایجنڈا اور نظام الاوقات

پچیسواں اجلاس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، مقام کلکتہ (بنگال)، مؤرخہ ۱۸/۱۹/۲۰ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ، سنیچر و اتوار

ادارہ

پہلی نشست

۱۸ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ، بعد نماز عصر، تین بجکر پینتالیس منٹ تا پانچ بجے شام
نماز مغرب پانچ بجکر پانچ منٹ ——— وقفہ چائے چھ بجے شام تک
اس اجلاس میں صرف ارکان تاسیسی شرکت فرمائیں گے

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک ۲۔ افتتاحی کلمات ——— جنرل سکریٹری بورڈ
۳۔ تاسیسی ارکان کی خالی نشستوں پر انتخاب ۴۔ میقاتی ارکان کا انتخاب

دوسری نشست

۱۸ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ، شام کے چھ بجے سے
اس اجلاس میں تمام اراکین اور مدعووین شرکت فرمائیں گے

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت قرآن مجید ۲۔ تجاویز تعزیت
۳۔ افتتاحی کلمات جنرل سکریٹری بورڈ
۴۔ خطبہ استقبالیہ
۵۔ خطبہ صدارت ۶۔ خطبہ صدارت پر اظہار خیال

تیسری نشست

۱۸ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ، آٹھ بجے شب
اس اجلاس میں تاسیسی اور میقاتی ارکان شرکت فرمائیں گے

ایجنڈا:

۱۔ افتتاحی کلمات ——— جنرل سکریٹری بورڈ
۲۔ آئندہ میقات کے لئے صدر بورڈ کا انتخاب
۳۔ بورڈ کے (۴۰) ارکان عاملہ کا انتخاب

چوتھی نشست

۱۹ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ، ساڑھے نو بجے دن سے نماز ظہر تک
اس اجلاس میں بورڈ کے تمام ارکان اور مدعووین کرام شرکت فرمائیں گے

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک
۲۔ سابقہ اجلاس بورڈ (جے پور) کی کارروائی کی توثیق
۳۔ جنرل سکریٹری کی رپورٹ اور اس پر اظہار خیال
۴۔ محترم اراکین اور مدعووین کا بورڈ کے کاموں میں سرگرم حصہ لینے کے طریقہ کار پر غور
۵۔ مالی صورتحال۔ خازن کی رپورٹ، گوشوارہ حساب و سالانہ بجٹ کی پیشی برائے منظوری

پانچویں نشست

۱۹ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ، چار بجے شام
اس اجلاس میں صرف ارکان عاملہ بورڈ شرکت فرمائیں گے

ایجنڈا:

۱۔ صدر محترم کی طرف سے دس ارکان عاملہ کے ناموں کا اعلان
۲۔ بورڈ کے عہدہ داروں کی نامزدگی بمشورہ مجلس عاملہ

چھٹی نشست

۱۹ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ، بعد نماز مغرب چھ بجے شام
اس اجلاس میں تمام ارکان اور مدعووین کرام شرکت فرمائیں گے

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک
۲۔ طلاق دینے کے سلسلے میں احتیاط اور سماجی بیداری
۳۔ خطبہ جمعہ میں معاشرتی مسائل پر گفتگو
۴۔ مختلف کمیٹیوں کی رپورٹ کی پیشی اور اس پر اظہار خیال
۵۔ دیگر امور باجازت صدر محترم

ساتویں نشست

۲۰ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز اتوار، دن کے ساڑھے نو بجے سے نماز ظہر تک
اس اجلاس میں بورڈ کے تمام ارکان اور مدعووین شرکت فرمائیں گے

ایجنڈا:

۱۔ تلاوت کلام پاک
۲۔ مسلم پرسنل لا سے متعلق مختلف کورٹوں میں دائر مقدمات کی رپورٹ پر غور وخوض اور اظہار خیال
۳۔ آثار قدیمہ کی زیر تحویل مساجد میں نماز کی ادائے گی کی اجازت
۴۔ وقف ایوکشن EVICTION ایکٹ (انخلاء جائیداد وقف) پر اظہار خیال
۵۔ دیگر امور باجازت صدر محترم
۶۔ اعلامیہ
۷۔ خطاب صدر محترم دامت برکاتہم
۸۔ شکریہ منجانب مجلس استقبالیہ

اجلاس عام ۲۰ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز اتوار بعد نماز مغرب
پارک سرکس میدان۔ کلکتہ